باسمہٖ

مواعظ اشرفیہ کبریٰ

(۲)

الرحمۃ علی الامۃ

(ذکر الرسول نمبر ۱)

منجملہ ارشادات

حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ عالم ربانی مولٰنا ومقتدانا حاجی حافظ قاری
شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی فاروقی چشتی حنفی قدس سرہٗ

ناظر وناشر:- محمد سراج الحق مچھلی شہری

مکتبہ جامی و اخوانہ حسن منزل الہ آباد

باہتمام عبد المجید مطبع اسرار کریمی الہ آباد میں چھپا

ذیقعدہ سنہ ۱۳۷۱ھ ؛ اگست سنہ ۱۹۵۲ء

قیمت ۹/

فہرست مضامین وعظ الرحمۃ علی الامۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلۂ قدیم: التبلیغ

نمبر قدیم ۱۴۹

مواعظ اشرفیہ کبری کا دوسرا وعظ

الرحمۃ علی الامۃ

(ذکر الرسول نمبر ۱)

این	متی	لم	کیف	المستمعون	من ضبط	الاشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کیوں ہوا	کس طرح ہوا	تعداد سامعین	کس نے لکھا	متفرقات
مسجد خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر	یوم جمعہ ۹ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ کل وقت ۳ ۱/۲ گھنٹہ	تمہید میں مفصل مذکور ہے	بیٹھکر فرمایا اور تتمہ کھڑے ہوکر	تخمیناً سو آدمی	مولوی عبدالکریم صاحب گمتھلوی	

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم ۔

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ

اس آیت مقدسہ میں جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو امر کیا گیا ہے اپنے خادموں یعنی صحابہ رض

رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ بعض معاملات میں خاص برتاؤ کا۔ یہ تو خلاصہ آیت کا ہے اور وجہ اس مضمون کے اختیار کرنے کی یہ ہے کہ بعض مہمانوں نے درخواست کی تھی وعظ کی اور خیال تھا کہ اس سے قبل وعظ میں جس آیت کا بیان ہوا تھا یعنی قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ اسی کا اسوقت بھی بیان کرتا جسمیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہادیٔ کامل ہونا بیان کیا گیا ہے کیونکہ پہلے بیان میں تمہید ہی اتنی طویل ہوگئی تھی کہ اصل مقصود مختصراً بیان ہوا اور خیال تھا کہ کسی موقع پر اس کو دوبارہ بیان کرونگا کیونکہ اول تو حضورؐ کے کمالات بیان کرنے کو خود ہی جی چاہتا ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ہم لوگوں پر مخالفین کی ایک نہایت سخت درجہ کی تہمت یہ ہے کہ ہم لوگ حضورؐ کا ذکر نہیں کرتے بلکہ غضب یہ ہے کہ وہ لوگ ہم کو ذکر رسولؐ کا منکر اور مخالف کہتے ہیں مگر وہ معترضین دراصل ذکر رسولؐ کی حقیقت نہیں جانتے اسلئے اول میں ذکر رسولؐ کی حقیقت بتلاتا ہوں اس کے بعد معلوم ہو جاویگا کہ یہ تہمت کس درجہ کی ہے اور جو شخص حقیقت معلوم ہو جانے کے بعد بھی اس بیجا اعتراض سے باز نہ آوے تو اس کا تو ذکر ہی نہیں کیونکہ وہ معاند (دشمن) ہے جس کا کچھ علاج نہیں باقی اہل فہم و انصاف بخوبی واقف ہو جاوینگے کہ یہ اعتراض محض عناد کی وجہ سے بدنام کرنے کی غرض سے کیا جاتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ ذکر رسولؐ کی ترکیب یعنی ذکر کی اضافت رسولؐ کی طرف خود صراحۃً بتلا رہی ہے کہ حضورؐ کا ذکر آپ کے رسولؐ ہونے کی حیثیت سے کرنا چاہئے جیساکہ بادشاہ کی سوانح میں دو قسم کے واقعات ہوتے ہیں۔ ایک تو ایسے حالات جو بادشاہی سے تعلق رکھتے ہوں دوسرے وہ حالات جو سب ہی انسانوں کے متعلق ہوتے ہیں مثلاً اس کا تذکرہ کہ فلاں اقلیم میں فلاں شہر میں فلاں جگہ پیدا ہوا اور پیدائش کیوقت یہ واقعات پیش آئے اور اس کا جسم ایسا تھا رنگ ایسا تھا یا اسکا طویل القامت وغیرہ ہونا میں یہ نہیں کہتا کہ یہ باتیں قابل بیان کے نہیں ہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ ان کا بیان فی نفسہ سوانح شاہی کا مقصود نہیں لہٰذا اس قسم کے واقعات کا بیان استطراداً (ضمناً) کیا جاوے گا کیونکہ سراپا بیان کرنے سے ظاہری حسن تو معلوم ہو جاوے گا لیکن اس سے اس کا بادشاہ ہونا اور یہ کہ کس درجہ کا بادشاہ تھا ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ نفس پیدائش اور حسن وغیرہ بادشاہی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بادشاہی کے لائق تو یہ باتیں ہیں کہ اس نے اس طریق سے انتظام کیا ایسا منصف تھا بڑا رحم دل تھا رعایا کی خبرگیری کرتا تھا وغیرہ وغیرہ یہ حالات اصل ہیں سوانح شاہی کی اگر کسی سوانح میں یہ حالات نہوں تو وہ شاہی سوانح نہیں اس مقام پر میں خواص کو خصوصیت سے متنبہ کرتا ہوں کہ آجکل سوانح عمریاں

(حاشیہ: معاندین کی تہمت)

لکھنے کا لوگوں کو بہت شوق ہو گیا ہے اور جو سوانحمریاں آجکل لکھی گئی ہیں اُن کے سامنے پرانی سوانحمریاں ہیچ سمجھی جاتی ہیں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ آجکل لوگوں کا مذاق خراب ہو گیا ہے اور اپنے اسی فاسد مذاق کے مطابق انتخاب کرتے اور ترجیح دیتے ہیں چنانچہ سب سے پیشتر تو انتخاب میں شگفتہ کلامی کا لحاظ کیا جاتا ہے اول تو ہم کو یہی تسلیم نہیں کہ متقدمین کا کلام شگفتہ نہیں۔ دوسرے یہ معیار ہی کیا ہے اصل معیار معنی اور مضامین کی خوبی ہے مگر اسکو اہل فہم ہی سمجھ سکتے ہیں نادان تو فقط الفاظ کو دیکھکر واہ واہ کرنے لگتے ہیں اسی لئے میں نے خواص کو خطاب میں خصوصیت سے متنبہ کیا ہے کیونکہ وہ فیصلہ کے معیار کو سمجھ سکتے ہیں اور عوام اُس معیار کو نہیں سمجھ سکتے اسلئے اگر وہ ایسی سوانحمری کو جو شگفتہ عبارت میں لکھی گئی ہو پسند کرلیں تو زیادہ تعجب نہیں مگر حیرت یہ ہے کہ خواص بھی آجکل ایسی ہی سوانحمریوں کی تعریف کرتے ہیں حالانکہ بدون حُسن معنوی کے تعریف کرنا اسکی ایسی مثال ہے کہ ایک تو خمیرہ مروارید ہو جو نہایت عمدہ بنا ہوا ہو اور اعلیٰ درجہ کے نفیس نفیس اجزاء رکھتا ہو مگر اس کو سیاہ ڈبہ میں رکھدیا جاوے۔ اور دوسرا خمیرہ جو بچوں کے بہلانے کے لئے گڑ گھول کر بنالیا ہے اور اُسکا بھی خمیرہ نام رکھدیا ہے سفید اور شفاف بوتل میں رکھدیا جاوے تو اب دو قسم کے لوگ ہیں عاقل اور جاہل۔ عاقل تو دونوں کو کھول کر دیکھے گا اور جانچ پڑتال کے بعد خمیرہ مروارید کو لیگا اور جاہل جھٹ پٹ چمکتی ہوئی بوتل کو پسند کر لیگا بس اسی طرح ان نئے رنگ کے مُصنفین کی کتابوں میں عبارتیں تو چٹ پٹی ہیں مگر اندر سے خالی ڈھول کہ مضامین خاک بھی نہیں اور متقدمین کی کتابوں میں مغز ہے روح ہے اسلئے باوجود حال کی سوانح عمریوں کو شگفتہ تسلیم کر لینے کے بھی وہ حقیقت میں قابل ترجیح نہیں اور لفظ پرستوں کی رائے اس باب میں معتبر نہیں اور یہ بات بھی ہے کہ متقدمین کی کتابیں پہلے زمانہ میں اُسوقت کے محاورہ کے اعتبار سے شگفتہ بھی تھیں جسکو آجکل معیار ترجیح قرار دیا گیا ہے لیکن محاورہ بدل جانے کے باعث اِسوقت اُسکی شگفتگی میں فرق آگیا ہے اور اسمیں اُنکی ہی کیا خصوصیت ہے اب سے پچاس سال کے بعد یہ موجودہ سوانحمریاں بھی شگفتہ نہ رہیں گی اور جسطرح اسوقت اہل فہم اُن کو بوجہ حقیقی خوبی کے مفقود ہونے کے پسند نہیں کرتے اسی طرح اسوقت ظاہر بینوں کی نظر سے بھی شگفتگی فوت ہو جانے کے سبب سے یہ کتابیں گر جاویں گی کیونکہ آجکل ہر چیز کو ترقی ہے تو زبان کو بھی ترقی ہے ہر سال اس کی شگفتگی میں نیا اضافہ ہوتا ہے پس معلوم ہو گیا کہ عبارت آرائی کوئی حسن نہیں جو اسکو معیار ترجیح قرار دیا جاوے وہ حسن ہی کیا جو کہ مُرورِ دہور سے بدل جاوے بلکہ اصل چیز معنوی خوبی ہے جس کی شان

زمانہ گزرنے

یہ ہوتی ہے۔ ؎

خود قوی تر میشود خمرِ کہن خاصہ آں خمرے کہ باشد من لدن

کمالات معنویہ میں مرورِ دہور سے اور زیادہ قوت اور تاثیر آجاتی ہے وہ جسقدر بھی پُرانے ہوں اسی قدر لطافت بڑھتی جاتی ہے کیونکہ روز بروز اُسکی خوبیوں پر اطلاع میں ترقی ہوتی رہتی ہے مگر آجکل جدّت پسندی کا مذاق ایسا غالب ہوا ہے کہ کسی چیز کا پُرانا اور قدیم ہونا ہی اب مستقل عیب شمار کیا جاتا ہے گو اور کوئی عیب بھی نہ ہو لیکن اگر قدیم ہونا ہی عیب ہے تو پھر اس پُرانے زمین و آسمان کو چھوڑ دو کسی نئی زمین پر نئے آسمان کے نیچے جاکر آباد ہو ہمارے ایک استاد فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سب سے قدیم ہیں کہ اصلی قدیم وہی ہیں تو جو لوگ جدت کو کمال اور قدم (پرانا ہونا) کو نقص کہتے ہیں ایسے بیہودہ مذاق والوں کو چاہیئے کہ (نعوذ باللہ منہ) اللہ میاں کو بھی چھوڑ دیں۔ خدا کی پناہ دیکھئے اس جدت پسندی سے کیا نتیجہ لازم آتا ہے بلکہ صحیح نظر سے دیکھا جاوے تو قدیم ہونا زیادہ مقبول ہونے کا سبب ہے، کیونکہ ایک زمانہ تک اُس سے انتفاع کا تجربہ ہوچکا ہے دیکھو آسمان کتنا پُرانا ہوگیا ہے مگر اُس کی شان یہ ہے کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ ٥ یعنی نگاہ پلٹا کر دیکھو کیا تم کو کچھ سوراخ نظر آتا ہے پھر بار بار نگاہ کو پلٹو (بالآخر) وہ عاجز و درماندہ ہوکر لوٹیگی (اور کوئی سوراخ تم کو نظر نہ آئیگا) اسی طرح جس مکان میں ابھی تازہ ڈاٹ لگائی گئی ہو اُس میں شروع شروع میں خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں ڈاٹ کمزور نہ ہو اوپر سے آنہ پڑے اور جب عرصہ تک اُس کے اوپر آدمی چل پھر لئے ہوں اور زمانہ دراز تک مکان آباد رہ چکا ہو پھر خطرہ نہیں رہتا کیونکہ تجربہ سے اُس کا استحکام (مضبوطی) معلوم ہوچکا ہے اور کوئی عارضی آفت پیش آجائے تو اور بات ہے پس قدیم ہونا تو نہایت مستحکم ہونے کی دلیل ہے اس لئے لازم ہے کہ متقدمین کی کتابوں کو دیکھا جاوے اور محاورہ بدل جانے کی طرف بالکل التفات نہ کریں بلکہ معانی کو دیکھیں گو خود اہل کمال کی کتابوں میں بھی فرق ہوتا ہے کہ معنوی خوبی کے باعث ایک دوسرے پر فوقیت رکھتی ہے اور اس لحاظ سے اگر باہم اہل کمال کی کتابوں میں ایک کا دوسرے سے مقابلہ کیا جاوے تو مضائقہ نہیں مگر جُہلا کی تصنیف سے اہل کمال کی تصنیف کا مقابلہ کرنا جائے حیرت ہے افسوس آجکل کسقدر مذاق بگڑ گیا ہے آجکل جدید سوانح عمریوں کا حاصل صرف یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں شان ملکیت اعلیٰ درجہ کی تھی یعنی آپ بادشاہ اعلیٰ درجہ کے تھے حالانکہ حضور کی سوانح وہ ہے جسمیں شان رسالت کا بیان ہو اور گو آپ میں دونوں شانیں تھیں نبوت کی بھی سلطنت کی بھی مگر شان رسالت اصل ہے اور شان سلطنت تابع اور

جدت اور قدامت کا فرق

ف حضور میں رسالت اور سلطنت دونوں کی شانیں تھیں۔

منصب نبوت کی تکمیل ہے کیونکہ اصلاح خلق میں جو کہ منصب نبوت ہے لوگوں کے مزاحم ہونیکی بھی نوبت آجاتی ہے ایسے لوگوں کو زیر کرنے کیلئے سلطنت کی ضرورت ہے پس سلطنت تابع ہوئی مگر یہ (بوراگر بوالی) لوگ اصل چیز یعنی نبوت کے بیان کو چھوڑ کر سلطنت کے بیان کو لے بیٹھتے ہیں جو کہ تابع ہے آجکل کی سوانح میں حضورؐ کی شان بادشاہی تو ملے گی مگر کمالاتِ نبوت کے ذکر کے اہتمام سے خالی ملیں گی حتیٰ کہ ان سوانح عمریوں میں آنحضرتؐ کا نام پاک نہ ہو تو دیکھنے سے یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ کسی نبی کی سوانح ہے بھلا یہ سوانح سوانح نبویہ کس طرح کہلانے کی مستحق ہو سکتی ہیں جبکہ اصل کمالات کے ذکر ہی سے عاری ہیں (بلکہ غور کیا جاوے تو یہ سوانح تو تابع کے بیان سے بھی کوری ہیں کیونکہ درحقیقت حضورؐ کی سلطنت کا بیان تو اُسکو کہا جاویگا جس میں آپ کی شان رسالت کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہو جبھی تو وہ سلطنتِ رسولؐ کی سوانح ہوگی مگر جب ان میں اس حیثیت کی رعایت نہیں کیگئی تو محض ایک بادشاہ کی بادشاہی کا بیان ہوا رسولؐ کی شانِ سلطنت کا تذکرہ تو نہوا ۱۲ جامع) اسی طرح الفاروق وغیرہ کتابیں بھی اصلی معنی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سوانح نہیں کیونکہ اصل میں خلافت فرع ہے نبوت کی پس یہاں بھی دین اصل اور سلطنت تابع ہونا چاہئے لیکن الفاروق وغیرہ جو لکھی گئی ہیں اُن کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اتنی فتوحات کیں اس طرح لشکر کا ملک کا انتظام کیا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر اُن حضرات کے ہاتھ سے یہ امور سر انجام نہ ہوتے تو وہ حضرات صاحب کمال کہلانے کے مستحق نہ تھے حالانکہ شجاعت و انتظام و فتوحات ملکی وغیرہ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے اصلی کمالات نہیں تھے اصل کمال وہ ہے جسکی بناء پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے لو کان بعدی نبی لکان عمر یعنی اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔ اصل کمال وہ ہے جس کے باعث فرمایا ابوبکر فی الجنۃ و عمر فی الجنۃ اور یہ کمالات ان حضرات میں خلافت سے پہلے موجود تھے خلیفہ تو حضورؐ کے بعد ہوئے غرض اصل کمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شان نبوت ہے اسیطرح آپ کا ذکر جو مقصود اصلی ہے وہ ہے جو من حیث الرسول ہو البتہ چونکہ محبوب کا ہر ذکر محبوب ہوتا ہے اسلئے آپ کے تمام حالات و کمالات کا ذکر بھی محبوب ہے مگر درجہ بدرجہ مثلاً رضاع و ولادت و شق صدر وغیرہ واقعات کا ذکر بھی فی نفسہٖ محبوب ہے لیکن عطائے نبوت و نزول قرآن وغیرہ اور آپ نے اپنی اُمّت کی جو اصلاح فرمائی ہے ان امور کا بیان زیادہ اہم اور زیادہ محبوب ہے کیونکہ خود آنحضرتؐ کی ولادت شریفہ سے بھی اصل مقصود یہی ہے پس جب ہم اُن ذکروں کو برابر کرتے ہیں جو حضورؐ کی اصل شان کے مناسب ہیں تو پھر ہم کو ذکر رسولؐ سے خالی کس طرح کہا جاتا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر غضب یہ کہ ہم کو منکر ذکر رسول کہا جاتا ہے استغفر اللہ

حضورؐ کی اصلی شان

ع چون ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

حقیقت میں اُن لوگوں نے ذکر رسولؐ کی حقیقت ہی کو نہیں سمجھا۔ آپ کی اصلی شان اصلاح ہے اُن معاملات کی جو حق تعالیٰ اور اس کے بندوں میں ہیں اور ہم لوگ اُن ہی کی توفیق سے رات دن قرآن اور حدیث و فقہ کے چرچے میں رہتے ہیں جنمیں اُسی شان کا زیادہ ذکر ہے اور ہم انہی احکام کا تذکرہ کرتے ہیں یہ سب ذکر رسول ہی تو ہے گو اسمیں کبھی آپ کا نام مبارک بھی زبان پر نہ آوے کیونکہ ذکر کے واسطے نام لینا ضرور نہیں ہے بلکہ بعض اوقات اس نام نہ لینے میں بھی ایک خاص شان ظاہر ہوتی ہے جیساکہ قرآن شریف کی بابت حق تعالیٰ نے فرمایا ہے انا انزلنٰہ فی لیلۃ القدر کہ ہم نے اس کو شب قدر میں نازل کیا ہے یہاں قرآن کا نام نہیں لیا اور وجہ اسکی یہ ہے کہ جب بدون نام لئے بھی اُدھر ہی ذہن جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ اس کی بہت بڑی شان ہے چنانچہ جب قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت مردہ سے سوال ہوگا کہ ماکنت تقول فی ھٰذا الرجل رواہ البخاری تو آپکا نام نہ لیا جاویگا بلکہ اس طرح دریافت کرینگے کہ یہ شخص کون ہیں مسلمان جواب دیگا کہ ھو عبد اللہ و رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھئے فقط ھٰذا الرجل کہنے سے حضورؐ کی طرف ذہن چلا جاویگا اور بعض روایات میں جو اسکے ساتھ محمدٍ آیا ہے وہ راوی کا قول ہے بیان کیلئے شراح نے اسکی تصریح کی ہے کہ یہ لام بیانیہ ہے۔ غرض ذکر صرف نام لینے ہی کو نہیں کہتے بلکہ بدون نام کے بھی ذکر ہوتا ہے ہاں اسکا پتہ ہر شخص کو نہیں چلتا بلکہ اسکا پتہ عاشق کو لگتا ہے وہ خوب پہچانتا ہے یہ عاشق ہی کی شان ہوتی ہے کہ اُس کے علم کیلئے ہر وقت محبوب کا نام لینے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ وہ ہر طرح پہچان لیتا ہے کیا خوب کہا ہے ؎

ہر چہ بینم در جہاں غیر تو نیست   یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

کہ ہر چیز کیطرف نظر کرکے دیکھا تو آپ ہی کی طرف نظر پہونچتی ہے اسی کو عارف جامیؒ فرماتے ہیں ؎

بس کہ در جانِ فگار و چشمِ بیدارم توئی   ہر چہ پیدا می شود از دور پندارم توئی

اور کسی نے اس مضمون کو اردو میں کہا ہے۔ ع۔ جب کوئی بولا صدا کانوں میں آئی آپکی۔

کسی منکر نے حضرت عارف جامیؒ پر جب وہ ایک خاص حالت میں اس شعر کی تکرار فرما رہے تھے بطور اعتراض کے کہا کہ اگر خر پیدا شود فوراً اسکی طرف اشارہ کرکے جواب دیا پندارم توئی۔ ایک شعر کسی صاحب حال کا ہے ؎ گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا ؛ نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

کسی عاشق نے اسکو اسطرح بدلا ؎ گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا ؛ تری ہی سی رنگت تری ہی سی بو ہے

یہ بھی وہی مضمون ہے ؎

ہرچہ بینم در جہاں غیرِ تو نیست — یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

خلاصہ یہ ہے کہ نصوصِ فضائل میں تو آپ کا ذکر ہے ہی بیع وشرا کی آیات و احادیث و مسائل میں بھی آپ کا ذکر ہے کیونکہ ان سب کا تعلق وحی سے ہے اور وحی کا تعلق حضورؐ سے ہے اور وحی کا ذکر رسولؐ کے ذکر کو یقیناً مستلزم ہے گو صراحۃً نہ ہو اور یہ استلزام ایسا ہے جیسا کسی نے امام محمدؒ سے کہا کہ تصوف میں آپکی کوئی تصنیف نہیں۔ امام محمدؒ کی نوسو ننانوے تصنیفات ہیں ہزار میں ایک ہی کی کسر رہ گئی مگر مستقل طور پر معروف طریق سے تصوف میں کوئی تصنیف نہیں۔ اس سوال پہ آپ نے فرمایا کہ جامع صغیر تصوف ہی میں تو ہے اس پر سوال کیا گیا کہ اسمیں تو بیع وشرا وغیرہ معاملات کے مسائل ہیں ارشاد فرمایا کہ جب یہ معاملات درست ہوں گے تو نفس میں وہ چیزیں پیدا ہوں گی جو تصوف میں مقصود ہیں۔ دیکھئے ان معاملات کو تصوف کہا گیا بوجہ استلزام کے۔ تو پھر احکام شرعیہ کا تذکرہ آپکا تذکرہ کیوں نہ کہلائیگا اور مولانا رومیؒ تو اس سے بڑھکر فرماتے ہیں کہ ذکر کی دو قسمیں ہیں ایک زبان سے ایک بغیر زبان کے یعنی حال سے۔ فرماتے ہیں ؎

گرچہ تفسیرِ زباں روشن گر است — لیک عشقِ بے زباں روشن تر است

جب خاموشی بھی دال ہے عشق پر تو نطق کیوں نہ دال ہوگا۔ مگر آجکل لوگوں نے ذکر رسولؐ کو خاص طریقہ کے نطق میں منحصر کر رکھا ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ ذکر میلاد نہیں کرتے آپ نے فرمایا کہ ہم تو ہمیشہ ذکر میلاد کرتے ہیں پھر کلمہ شریف پڑھ دیا اور فرمایا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا نہ ہوتے تو آپ کا کلمہ کون پڑھتا یہ لوگ حقیقت شناس ہیں مگر لوگ بے سوچے سمجھے اعتراض کر بیٹھتے ہیں اُس نے پھر کہا کہ بلا واسطہ بھی تو ذکر رسولؐ ہونا چاہئے فرمایا لو وہ بھی ابھی کرتے ہیں اور یہ شعر پڑھ دیا ؎

تر ہوئی باراں سے سوکھی زمیں — یعنی آئے رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم

مطلب یہ کہ مولانا نے بلا قید رسوم کے ذکر کر کے دکھلا دیا۔ غرض ذکر رسولؐ کی جو حقیقت ہے ہم الحمدللہ اُس سے کسی وقت بھی خالی نہیں اور کبھی کبھی بلا واسطہ بھی رسوم ومنکرات سے احتراز کر کے ہم حضورؐ کا ذکر کر لیتے ہیں کیونکہ یہ بھی اعظم مستحبات سے ہے یہ گفتگو تو اُن لوگوں سے تھی جو ذکر رسولؐ میں غلو سے کام لیتے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص مطلقاً اُس ذکر کا انکار کرے گو منکرات سے خالی بھی ہو تو اُس سے مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی طرح محاجّہ کیا جاوے گا اس کا بھی واقعہ ہے کسی نے آپ سے

کہا کہ ہم نے مانا کہ ذکر رسولؐ اچھا ہے مگر اسکی ضرورت ہی کیا ہے آپ نے فرمایا جی ہاں نہ معلوم اللہ تعالیٰ کو مریم وابن مریم علیہما السلام کے ذکر کی کیا ضرورت تھی اور موسیٰ علیہ السلام و ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کی کیا ضرورت تھی کہ قرآن شریف میں جابجا نہایت تاکید و تکرار سے آیا ہے ارشاد ہے واذکر فی الکتٰب مریم واذکر فی الکتاب موسیٰ واذکر فی الکتاب ابراھیم کہ خود بھی ذکر فرماتے ہیں اور حضورؐ کو بھی ذکر کا امر فرماتے ہیں بتلاؤ اسکی کیا ضرورت تھی" بزرگوں کے کلام میں حکمتیں ہوتی ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح مصلحت کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام و ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کا ذکر قرآن شریف میں آیا ہے اسی طرح بعض مصالح کی وجہ سے ہم کو حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر شریف کی بھی ضرورت ہے اور اسمیں ایک مصلحت تو یہ ہے کہ جب حضور کا پیدا ہونا بچہ ہونا بڑھنا وغیرہ معلوم ہوگا تو اس کے بعد حضورؐ پر الوہیت کا احتمال وہوسہ پیدا نہ ہوگا یہی مصلحت قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تولد کے ذکر میں بھی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنی ماں (خدا ہونا) کے پیٹ سے اس طرح پیدا ہوئے تو انکی الوہیت کا دعویٰ جو نصاریٰ کرتے ہیں وہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے اسمیں اشارہ اس طرف ہے کہ اگر حضورؐ کی ولادت کا بھی ذکر کرو توان حکمتوں کی وجہ سے کرو کہ حضورؐ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے دودھ پیا پھر بڑے ہوئے کھاتے پیتے بھی تھے اور وفات بھی پائی یہ سب حالات بتلا رہے ہیں کہ آپؐ الٰہ نہیں بلکہ بشر ہیں بس ان حالات ولادت وغیرہ کے ذکر کے ساتھ اُس سے نتائج نکالے جاویں اس بنا پر اس کا مرجع بھی وہی شان نبوت ہوئی کیونکہ اصلاح عقیدہ کا تعلق منصب نبوت سے ہے پس ایک مصلحت تو یہ ہے اور دوسری مصلحت عشاق کی ہے وہ یہ کہ حضورؐ سے محبت بڑھے کیونکہ کمالات (فضائل) کے بیان سے محبت بڑھتی ہے۔ اور آپ میں بچپن ہی عجیب عجیب کمالات تھے چنانچہ آپ ایک چھاتی کا دودھ پیتے تھے اور دوسری کا اپنے رضاعی بھائی کیواسطے چھوڑ دیتے اسکو منہ نہ لگاتے تھے اسی طرح ہر واقعہ میں ایک کمال ظاہر ہوتا ہے غرض ان واقعات سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور محبت کی غرض اتباع ہے اسلئے اس کا مرجع بھی پھر وہی نبوت ہوا اور بدون اتباع کے نری محبت من حیث الذات نہ مطلوب نہ نافع۔ سب کو معلوم ہے کہ حضرت ابو طالب کو حضورؐ کے ساتھ کتنی محبت تھی اور گو (بیحد ذاتی) اُن کا ایمان دلائل سے ثابت نہیں مگر جب اُن کا نام آتا ہے تو نام کے ساتھ حضرت کا لفظ منہ سے نکل ہی جاتا ہے کیونکہ وہ تو جاں نثار خادم تھے حضورؐ کے۔ اور ہم تو حضورؐ کے جانوروں کی بھی تعظیم کرتے ہیں وہ تو چچا ہیں اللہ معاف کرے اگر انکو حضرت کہنے میں کوئی خرابی ہو۔ بہرحال جتنی محبت اُنکو تھی اتنی محبت شاید بعض مسلمانوں میں بھی مشکل سے پائی جاتی ہو کیونکہ آج کل اکثر ہم لوگوں کی یہ حالت

ف ذکر رسولؐ کی غرض مصلحت

ف کمال سے محبت بڑھتی ہے جس سے غرض اتباع ہے

ہے ؎

تو بیک زخمے گریزانی ز عشق　　　تو بجز نامے چہ میدانی ز عشق

گو ہم مومن ہیں لیکن ذرا سا امتحان آتا ہے تو نکل بھاگتے ہیں اور انھوں نے تو بڑے بڑے شدائد ہیں حضور ؐ کا ساتھ دیا اور تکلیفیں اٹھائیں ہم لوگوں کے نکل بھاگنے کے متعلق ابھی کا تازہ واقعہ ہے جسکا قلق ساری عمر دل سے نہ اُتریگا کہ ایک شخص بیمار تھے بیماری میں کبھی وہ خود مجھکو بلاتے تھے کبھی میں خود جاتا تھا کیونکہ اُن سے محبت تھی اور وہی محبت مقتضی ہوئی اسکی کہ جن حقوق العباد میں وہ مبتلا ہیں اُن سے اُنکو نکالا جاوے اسلئے اول تو خود تحریراً کہا کیونکہ مجکو بالمواجہہ نصیحت کرتے ہوئے شرم آتی تھی اور وجہ اُسکی یہ ہے کہ مخاطب کو اس سے طبعاً شرم آتی ہے اُسکی شرم کے خیال سے مجکو بھی شرم آجاتی ہے جیسا کہ صائب نے کہا ہے صائب کی بندش عجیب ہوتی ہے کسی نے امتحاناً ایک مصرعہ دیا کہ اس پر بند لگادو مصرعہ یہ تھا۔ ع

بے زری کرد بمن انچہ بقاروں زر کرد

یعنی زرداری اور مالداری نے جو قارون کے ساتھ کیا تھا وہ میرے ساتھ بے زری اور فقیری نے کیا واقعی بہت سخت بندش تھی کیونکہ زرداری تو قارون کے لئے سببِ خسف (دھنسنا) ہوئی اسوجہ سے کہ اس نے زکوٰۃ سے انکار کر دیا تھا مگر بے زری وجہ خسف کیونکر ہوسکتی ہے چونکہ بندش بہت دشوار تھی اسواسطے کسی نے صائب کے پاس پیش کیا کیونکہ وہ اس فن میں کامل تھا اس نے اس پر نہایت ہی عمدہ مصرعہ لگا دیا ؎

صائبا خجلتِ سائل بزمینم در کرد　　　بے زری کرد بمن انچہ بقاروں زر کرد

یعنی ایک شریف سائل نے مجبوری میں مجھ سے سوال کیا اور میرے پاس کچھ دینے کو نہ تھا اسلئے جواب دیدیا جس سے وہ شرمندہ ہوا کہ مانگ کر ذلت بھی اٹھائی اور کام بھی نہ بنا تو اُسکی شرمندگی سے میں شرمندہ ہو کر زمین میں دھنس گیا بے نظیر مصرعہ ہے غرض مجھکو بھی بعض دفعہ مخاطب کی خجلت بالمواجہہ خطاب کرنے سے مانع ہو جاتی ہے اور یہ حالت دواماً نہیں ہوتی بلکہ اختلاف احوال کی وجہ سے طبیعت کا رنگ مختلف ہوتا ہے کسی وقت تو مجھ پر یہ اثر ہوتا ہے۔۔۔ اور کسی وقت کوئی خاص اثر غالب ہوتا ہے تو اس وقت بالمواجہہ بھی نصیحت کرنا پڑتی ہے بہرحال اس موقعہ پر اثر مانع ہی غالب تھا اسلئے میں نے تحریراً نصیحت کی اور رقعہ بھیجدیا پھر احتمال ہوا کہ شاید پڑھا نہ ہو اسلئے اپنے ایک معتمد کو بھیجا کہ جاکر وہ رقعہ پڑھ دو انھوں نے جاکر رقعہ پڑھا تو جواب یہ ملا کہ یہ تو سچ ہے مگر اہل وعیال کیلئے

ف ذرا سا امتحان میں نکل بھاگتے ہیں

ف ایک شعر

کیا چھوڑوں اُس معتمد نے کہا کہ یہ حقوق العباد ہیں انکا کیا ہوگا جواب دیا کہ خدا تعالیٰ معاف کردیگا اس پر اس معتمد نے کہا کہ حقوق العبد کے معاف کرنے کا وعدہ نہیں ہے بلکہ مواخذہ کی وعید آئی ہے پھر کیسے اطمینان معافی کا ہوسکتا ہے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اہل حقوق سے معاف کرادینگے اسپر جلسہ ختم ہوا (جامع کہتا ہے کہ اُن معتمد نے مجھسے یہ بھی بیان کیا تھا کہ حضرت والا نے ارشاد فرمایا تھا کہ واپسی حقوق کے لئے جس خرچ کی ضرورت ہو کیونکہ وہ حق موروثی زمین تھی اس سے استعفیٰ دینے میں کچھ خرچ ہوتا ہے بشرط ضرورت میں وہ بھی دیدونگا اس سے اُس شخص کے ساتھ حضرت والا کی محبت کا اندازہ ہوتا ہے ۱۲) کیوں صاحبو کیا خدا کا یہی ڈر ہے کہ یقینی معلوم ہے کہ مرنے والا ہوں مگر اہل وعیال کیلئے جائداد چھوڑنے کی فکر (اور وہ بھی غیروں کے حقوق سے) دل سے نہیں نکلی اور عین اس حالت میں بھی خدا کا حکم سُنکر خوفِ خدا نہ آیا اور میں رحمت کے بھروسہ پر معافی کی امید سے منع نہیں کرتا مگر سوال یہ ہے کہ بلا عذاب کے معافی کی کیا دلیل ہے اور اگر معاف ہوا بھی تو قیامت میں ارضاء خصم کے بعد ہوگا برزخ میں تو محبوس اور معذب ہی رہے گا آخر اُنکا انتقال ہوگیا اور مجھ سے جنازہ کی نماز پڑھوائی گئی مروت کی وجہ سے پڑھ تو دی مگر نماز پڑھنا مشکل ہوگیا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں تشریف رکھتے تو اس شخص کی نماز ہرگز نہ پڑھتے کیونکہ حضورؐ کا معمول تھا کہ جس میت کے ذمہ قرض ہوتا اس کے بارے میں صحابہؓ سے فرما دیتے صلوا علی صاحبکم یعنی اپنے ساتھی کی نماز تم ہی پڑھ لو اسلئے دل تو نہ چاہتا تھا مگر زندوں کی خاطر سے نماز پڑھائی لیکن کیا عرض کروں باوجودیکہ مجکو عموماً ہر مومن کیواسطے جانب رجاء مغفرت غالب ہوتی ہے مگر اس کے متعلق غالب گمان عذاب کا ہوتا تھا اور مرتے ہوئے جو اُس شخص نے رجاء عفو ومغفرت کا اظہار کیا ہے یہ رجاء ایسی تھی کہ جیسے ایک شرابی کی حکایت ہے کہ اُس نے عین نزع کی حالت میں شراب پیکر کہا تھا کہ لوگ مجکو عذاب سے ڈراتے ہیں مگر مجکو تیری ذات سے اتنی امید ہے کہ شراب پیکر مرتا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ تو معاف کردیگا بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص رجا اور امید کا اعلیٰ درجہ رکھتا تھا مگر دراصل وہ راجی نہ تھا بلکہ یاجی تھا شیطان نے غلبہ رجاء کے پردہ میں جرأت اور گستاخی سکھا کر اسکی راہ ماردی اللہ تعالیٰ سب آفات اور ہر قسم کے شیطانی ونفسانی دھوکوں سے محفوظ رکھے آمین ثم آمین۔ رجاء تو حسب تصریح اکابر اسکو کہتے ہیں کہ جس طرح کسان کھیت میں دانہ ڈالکر امید کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکو بارآور کریگا اور خود بھی برابر ہر قسم کی خدمت کرتا رہتا ہے۔ کچھ توکر دجسکی بناء پر امید کرتے ہو اگر حتی المقدور کوشش کی اور پھر بھی نہ ہوسکا یا کچھ کوتاہی ہوگئی تو امید عفو ہے۔ جیسا کہ باوجود عزم کے فوت شدہ نمازوں کی قضا کا وقت نہ ملا تو استغفار

ف: رحمت کا بھروسہ اور برزخ و محشر کا عذاب

ف: رحمت کی امید کی حقیقت

داعتذار سے معافی کی امید ہو سکتی ہے۔ غضب تو یہ ہے کہ ظالم کو وقت ملا اور نیت تک نہ کی۔ جب میں اس شخص کے جوابوں کا جس سے اسکی کمال جرأت ثابت ہوتی ہے تصور کرتا ہوں تو مجھے سخت وحشت ہوتی ہے کسی طرح جی نہیں گواہی دیتا کہ بدون مواخذہ اسکی مغفرت ہوگئی ہو والامر بید اللہ بس دیکھ لیا آپ نے کہ چار بیگہ زمین کیواسطے سارا عشق ختم ہوگیا یہ محبت کس کام کی کہ زبانی باتیں بنانے کو سب سے آگے مگر اتباع سے جان چراتے ہیں اُن کا کیا منہ ہے کہ اپنے کو محبین میں شمار کریں یہ تو مدعیانِ محبت کیحالت کا بیان تھا جو صرف بیان سوانح نبویہ کو ادائے حق محبت کیلئے کافی سمجھتے ہیں اور اتباع کے نام صفر اسیطرح ایک درجہ میں ایسے لوگ بھی خطا پر ہیں جو حضور سے پوری طرح محبت نہیں کرتے نری ضابطہ کے اتباع کو کافی سمجھتے ہیں مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ یہ اہل اتباع ناجی تو ہیں اور جو اتباع نہ کرے ویسے ہی محبت کا دم بھرے وہ ناجی بھی نہیں یعنی جتنی کمی اتباع میں ہے اتنی ہی کمی نجات میں جیسا کہ ابو طالب کی بابت سب کو معلوم ہے کہ کسقدر جاں نثار تھے جب تمام قریش نے حضورؐ سے مقاطعت کی یا آج کل کی اصلاح میں بائیکاٹ کیا آجکل کے بائیکاٹ کو تو جو اسوقت ملک میں پھیل رہا ہے میں بھائیکاٹ کہا کرتا ہوں کیونکہ وہ رحماء علی الکفار اشداء بینھم کا مصداق ہوتا ہے یعنی اسکی حقیقت یہ ہے کہ غیروں سے تو اتحاد کرو اور اپنے بھائیوں سے بغض وفساد کرو۔ قریش کے بائیکاٹ کا قصہ یہ ہوا تھا کہ قریش نے اتفاق کرلیا اور خانہ کعبہ پر عہد نامہ لٹکا دیا تھا جسپر عمائد کے دستخط تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کا ساتھ دینے والوں کے ساتھ کوئی معاملہ بیاہ شادی یا بیع وشرا کا نہ کیا جاوے اس موقع پر ابو طالب نے حضورؐ کا ساتھ دیا قریش کی کچھ پروا نہ کی وہ ایمان تو نہ لائے مگر ساتھ دیا پورا گو سخت پریشانی ہوئی مگر جان نثاری میں مستقل رہے۔ ایک روز حضورؐ نے فرمایا اے چچا وہ عہد نامہ دیمک نے کھالیا سوا اللہ کے نام کے اسمیں کچھ نہیں رہا ابو طالب نے قریش سے کہا کہ میرا بھتیجا ایک خبر دیتا ہے وہ سن لو اور واقعہ کی تحقیق کرلو سو اگر وہ صحیح نکلے تو کم از کم مقاطعت تو موقوف کردو چنانچہ حضور کا یہ ارشاد بیان کیا جب قریش نے اس عہد نامہ کو دیکھا تو واقعی دیمک نے کھالیا تھا اسپر مقاطعت ختم ہوگئی دیکھئے ابو طالب کو کتنی محبت تھی بھلا حضورؐ کا اتنا ساتھ فی ہزار ایک مسلمان تو دیدے۔ بات یہ تھی کہ انکو حضورؐ سے خاص عشق تھا اور بے انتہا محبت تھی مگر باوجود اسکے ایمان نہیں لائے اور اتباع نہ کیا اسلئے نجات کیلئے وہ محبت کافی نہ ہوئی حدیث شریف میں آیا ہے کہ ابو طالب کو سب سے زیادہ ہلکا عذاب ہوگا جسکی کیفیت یہ ہوگی کہ پاؤں میں آگ کی جوتیاں پہنائی جاویں گی اُس کے باعث سر کھولتا ہوگا اوکما قال اور وہ یہ سمجھتے ہوں گے کہ سب سے زیادہ میں ہی عذاب میں ہوں خیالی انتفاع بھی نہ ہوگا کیونکہ یہ معلوم کرکے بھی کہ مجکو اوروں سے کم عذاب ہے عذاب

ف حضور سے نری محبت بغیر عمل کے نجات کیلئے کافی نہیں

کی کچھ پروا نہیں کیجاتی - یہ صریح جو اہے القصہ اُسکا نام نکل آیا اس انگریز کی معرفت خط آیا جس کا وہ نوکر تھا اُس نے کھولا تو دیکھا دو لاکھ روپیہ کی چھٹی سائیس کے نام ہے اسکو بلاکر پوچھا کہ تو نے لاٹری میں چھٹی ڈالی ہے اُس نے کہا جی ہاں پوچھا کہ بدون ہماری اجازت کے کیوں ڈالی اُس نے جواب دیا کہ اس میں تو آپ کی اجازت کی ضرورت نہ تھی قانوناً مجکو اجازت ہے انگریز نے کہا کیسا قانون اور بید لیکر اُسکو خوب مارا اور توبہ کرائی کہ پھر کبھی چھٹی نہ ڈالے - بیچارہ جب زخمی ہوگیا اور سخت پریشان ہوا کہ یہ ناگہانی آفت کہاں سے آپڑی اسوقت انگریز نے کہا کہ تمھارے نام دو لاکھ روپئے نکل آئے ہیں اور کہا کہ اگر پہلے ہی یکدم تمکو یہ خط سنایا جاتا تو تم خوشی سے مرجاتے اسلئے تمکو یہ تکلیف دی گئی اُسوقت اس سائیس کو یہ سزا بھی موجبِ مسرّت معلوم ہوئی ہوگی وہ انگریز کو دعا دیتا ہوگا کہ اچھا ہوا اس نے دفعتہً مجھے دو لاکھ کی خبر نہ سنائی - تو آپ نے دیکھا کہ دنیا میں بھی سزا کبھی شرط راحت ہوجاتی ہے تو آخرت میں بھی اگر ایسا ہو تو کیا تعجب ہے بہر حال جنت میں ہر شخص اعلیٰ درجہ کی راحت میں ہوگا کیونکہ ہر چیز اسکی رغبت اور مذاق کے موافق ہوگی یہ مطلب نہیں کہ ہر شخص اپنی راحت کے متعلق فی نفسہٖ اعلیٰ ہونے کا اعتقاد بھی رکھے گا تاکہ معقولی صاحب کا اعتراض وارد ہو غرض وہاں کوئی جہل میں نہ ہوگا اسی طرح دوزخ میں شدت غم کی وجہ سے ہر شخص اپنے کو سب سے زیادہ معذب سمجھے گا خواہ اتنا علم اجمالاً ہو کہ میں فلاں شخص سے درجہ میں کم ہوں مگر چونکہ ہر شخص کو اسکے تحمل سے زیادہ عذاب ہوگا اسلئے وہ اپنے عذاب کو تفصیلاً دوسرے کے عذاب سے کم نہ سمجھیگا اور خواہ اہل جہنم کو تفاوت درجات کا بھی علم نہ ہو کیونکہ اگر جہنم میں جہل مرکب میں ابتلاء ہو تو اس سے کوئی محذور لازم نہیں آتا وہ دار العذاب ہے ممکن ہے کہ حسّی عذاب کے ساتھ معنوی عذاب جہل مرکب کا بھی مجتمع ہو کیونکہ دنیا میں ایک طریق صبر کا یہ بھی ہے کہ اپنے سے زیادہ مصیبت زدہ کو دیکھ لیا جاوے اس سے بھی کلفت کم ہوجاتی ہے جیساکہ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ میرے پاس جوتہ نہ تھا اسوجہ سے رنجیدہ تھا ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا پاؤں ہی ندارد ہے تو میں نے شکر کیا کہ میرے پاس پاؤں تو ہے تو جہنم میں خیالی راحت بھی نہ ہوگی کیونکہ یہی سمجھکر دلکو بہلا لیا جائے کہ ہم فلاں سے کم عذاب میں ہیں وہاں چین کا کیا کام اللہ تعالیٰ ہم سب کو اُس سے دور رکھے میں یہ کہہ رہا تھا کہ حضورؐ کے ساتھ محبت ذات مِنْ حَیْثُ ہِیَ ذَاتٌ بدون لحاظ شان نبوت کے مطلوب نہیں کیونکہ ایسی محبت تو ابو طالب کو بھی تھی مگر وہ نجات کے لئے کافی نہ ہوئی بلکہ مطلوب وہ محبت ہے جو شان نبوت کی وجہ سے ہو جسکے لئے حضورؐ کے احکام کا اتباع علمی وعملی لازم ہے اب میں پوچھتا ہوں ان لوگوں سے جنکے ہاں رات دن اس قسم کے وعظ ہوا کرتے ہیں کہ

ع ۵
ایک واعظ صاحب نے ایک مقام پر ایسا وعظ احقر کے ایک ایسے وعظ کے جسمیں اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین کے متعلق بیان ہوا تھا) تقابل میں کہا تھا ۱۲ اشرف علی

"اے زناکار بھائیو! اے شرابی بھائیو جو چاہو کرو تقویٰ کی کچھ ضرورت نہیں بس حضورؐ سے محبت رکھو اسی سے نجات ہو جائیگی اور ان وہابڑوں کو نجات نصیب نہ ہوگی"۔ ارے ظالمو! تم مسلمانوں کو حضورؐ کے ساتھ محبت بڑھانے کی ترغیب دو اس سے ہم منع نہیں کرتے بلکہ ہم خود اس ترغیب میں شامل ہیں مگر نافرمانی میں دلیری کیوں کرتے ہو۔ بھلا نافرمانی کی ساتھ جو محبت ہو اگر وہ محبت نجات کے لئے کافی ہے تو پھر یہ لوگ ابوطالب کی محبت کو کافی کیوں نہیں کہتے بلکہ انکو تو ایسی محبت ان لوگوں سے بھی زیادہ تھی مگر جب اُن کی اتنی محبت بھی بوجہ اتباع نہ کرنے کے کافی نہیں ہوئی تو پھر ان مدعیوں کی تھوڑی سی محبت باوجود نافرمانی کے کیسے کافی ہو جاویگی رہا تفاوت ایمان و کفر کا یعنی ابوطالب ایمان نہ لائے تھے اور یہ لوگ مومن ہیں سو اس تفاوت کا انکار نہیں لیکن اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ سب معاصی بدون عقوبت کے بخشدیئے جاویں گے البتہ ایمان سے اتنی توقع ضرور ہے کہ کبھی نہ کبھی بخشش ہو جاویگی مگر یہ تو نہیں کہ دوزخ میں بالکل ہی نہ جاویں۔ اور بعض گنہگاروں کو جو بالکل معاف کر دیا جاویگا اول تو وہ کسی حسنہ یعنی نیکی کی برکت سے ہوگا اور جب گناہوں پر دلیری ہے تو نیکی کا وجود ہی دشوار ہے چہ جائیکہ ایسے درجہ کی نیکی ہو جس سے گناہ معاف کر دیئے جاویں۔ دوسرے یہ کہ یہ بات یعنی بالکل معاف ہو جانا موعود تو نہیں جسکی بناء پر یقین ہو سکے بہت سے بہت محتمل ہے تو اب خود ہی انصاف کرو کہ احتمالِ مغفرت کی بناء پر معاصی کی اجازت دینا کیسا ہے درحقیقت یہ لوگ لُصوص (رہزن) ہیں اور یہ نری محبت جسکے ساتھ اتباع نہ ہو شرعی محبت نہیں بلکہ لُغوی محبت ہے۔ اصل میں محبت وہی ہے جو اتباع کے ساتھ ہو جیسا کہ ارشادِ خداوندی قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ سے ثابت ہوتا ہے یعنی اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اور ابن المبارکؒ فرماتے ہیں ؎

تعصی الالٰہ و انت تظھر حبہ	ھذا لعمری فی الفعال بدیع
لو کان حبک صادقاً لاطعتہ	ان المحب لمن یحب مطیع

یعنی محب تو محبوب کا مطیع ہوتا ہے جب اطاعت نہیں تو محبت کی کیا دلیل ہے البتہ ایک ضعیف درجہ محبت کا معصیت کے ساتھ بھی جمع ہو سکتا ہے جس کے لئے شرط یہ ہے کہ معصیت کر کے شرما دے نادم ہو اور اپنے کو قصوروار خطاوار سمجھے مگر جو نافرمانی کرتا ہوا شرماویگا وہ التزام تو کریگا اتباع کا اور اس کو ضروری تو سمجھیگا نہ یہ کہ گناہ پر دلیری کرنے لگے اور دوسروں کو جرأت دلاوے اور معاصی کو انکی نظر میں خفیف ظاہر کرے خدا کی پناہ انلوگوں کو تو اپنے ایمان کی خیر منانا چاہیئے کیونکہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ استخفاف معصیت کفر ہے اور میں نے جو ابھی کہا ہے کہ محبت کا ایک درجہ معاصی کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے یہ بھی ایک حدیث شریف سے ثابت ہے کہ ایک شخص کو چند مرتبہ شراب نوشی میں دربار نبوی سے سزا ملتی رہی مگر بعض نہ آیا تیسری یا چوتھی بار گرفتار

ف: ابوطالب کو نری محبت رسول سے نجات نہیں مل سکی

ف: بعض گنہگاروں کی بالکل معافی کی تحقیق

ف: محبت کے ضعیف درجہ کی علامت

ہو کر آیا تو کسی نے اس پر لعنت کی حضور ؐ نے ارشاد فرمایا کہ لعنت مت کرو انہ یحب اللہ ورسولہ یعنی یہ اللہ اور رسول سے محبت رکھتا ہے اور اس ارشاد کی وجہ یہ تھی کہ وہ باوجود گناہ ہو جانے کے حکم شریعت کو مانتا تو تھا اور اپنے کو گنہگار مجرم سمجھتا اور معصیت پر نادم بھی تھا اور اب تو نصیحت کا مقابلہ کرتے ہیں احکام شرعیہ کا نام سنکر چڑتے ہیں۔ شریعت کا مضحکہ اُڑاتے ہیں اور پھر اچھے خاصے شاہ صاحب ہیں اگر انکو محبت ہوتی تو کم از کم دلمیں دین کی وقعت تو ہوتی اور اسکے سامنے کچھ تو لجتے۔ کاپی کی ایک حکایت ہے جس میں ایک غریب کی نصیحت پر ایک صاحب جاہ نے بُرا مانا وہ حکایت یہ ہے کہ وہاں قنوج کا ایک عطر فروش گیا اور جمعہ کی نماز میں شریک ہوا نماز کے بعد اُس نے ایک داروغہ صاحب کو دیکھا کہ فرض تو انھوں نے کسی طرح مجبور ہو کر امام کیساتھ اطمینان سے پڑھے کیونکہ امام نے اطمینان سے نماز پڑھی تھی اور یہ اقتداء کیوجہ سے اُسکی اتباع میں مجبور تھے مگر سنتوں میں آپ نے ڈاک گاڑی ہی چھوڑ دی کہ جھٹ پٹ برائے نام سجدہ رکوع کر فارغ ہو چلنے لگے۔ اس گندھی نے اُنکو ٹوکا اور کہا کہ مجکو آپ پر بہت رحم آتا ہے کہ آپ اپنا کام حرج کر کے تو اتنی دور تکلیف اٹھا کر آئے مگر غرض حاصل نہ ہوئی آپ سنتیں اطمینان کیساتھ دوبارہ پڑھ لیجئے۔ داروغہ صاحب نے یہ سنتے ہی غریب کو دھمکا دیا کہ تیری یہ مجال جو ہم پر خوردہ گیری کرے ہٹ دور ہو تو ہوتا کون ہے آجکل یہ حالت ہے اور یہ برتاؤ ہے احکام کے ساتھ مجکو مقصود تو یہی جزو ہے مگر آگے تتمیم بھی کرتا ہوں کہ گو داروغہ جی نے اُسکو دھمکا دیا مگر اُس نے پھر کہا کہ میں آپ کا خیر خواہ ہوں آپ کے بھلے کی کہتا ہوں مجکو جو چاہو کہہ لو مگر نماز دوبارہ پڑھ لو۔ داروغہ صاحب نے سپاہی سے کہا کہ اسکو ہٹا دو۔ سپاہی نے مارا دھمکایا مگر وہ یہی کہتا رہا کہ جو چاہو کرو مگر نماز پڑھ لو میں بدون نماز پڑھے ہرگز نہ جانے دونگا اور ٹانگوں میں لپٹ گیا اسپر مجمع اکٹھا ہو گیا آخر دوسروں نے بھی داروغہ صاحب سے کہا کہ ایسی بھی کیا ضد ہے جو اپنے نفع کی بات بھی نہیں مانتے آپ دوبارہ نماز پڑھ لیں اس میں آپ کا حرج ہی کیا ہے ثواب کی بات ہے مجبوراً داروغہ صاحب نے سنتیں دہرائیں اور گندھی کے سامنے اچھی طرح اطمینان سے پڑھیں آخر برائی کیا ہوئی اگر پہلے ہی اچھی طرح پڑھ لیتا تو کیا بگڑ جاتا اس واقعہ کی تمام شہر میں شہرت ہو گئی حالانکہ ظاہر میں وہ گندھی بیچارہ پٹا تھا ذلیل ہوا تھا مگر بڑی نیکنامی ہوئی کیونکہ مظلوم ہونا رسوائی نہیں گو ظاہر میں ذلت معلوم ہوتی ہے چنانچہ اس قصہ میں اس کا مشاہدہ ہوا چنانچہ وہ گندھی صاحب جدھر جاتے ہیں ہر شخص انکو بلاتا ہے کہ میر صاحب یہاں تشریف لائیے کیونکہ اکثر لوگ گندھیوں کو میر صاحب کہتے ہیں نہ معلوم کس بناء پر کہتے ہیں سب سید تھوڑا ہی ہوتے ہیں۔ غرض کوئی انکی دعوت کرتا کوئی نذرانہ دیتا اُس نے کہا صاحبو! مجھے اسکی ضرورت نہیں میں تو تاجر ہوں میرے ساتھ تو آپ کا یہی احسان بہت ہے کہ میرا عطر خرید لیا

ف نصیحت کا برا ماننا

ف مظلوم ہونا رسوائی نہیں

جاوے چنانچہ بہت جلد وہ عطر بک گیا پھر اور نہ لائے وہ بھی جلدی ختم ہوگیا واہ میر صاحب پیر ہی بن بیٹھے۔ خیر اُن داروغہ صاحب نے لوگوں کے کہنے سے نماز تو پڑھ لی یہ بھی غنیمت ہے بعض لوگ تو ایسے ہیں کہ نصیحت سے کبھی نہ پڑھیں چنانچہ کانپور میں ایک صدر منصرم تھے نمازی تھے مگر بغیر جماعت کے نماز پڑھا کرتے تھے مسجد میں نہ آتے تھے ایک مولوی صاحب نے انکو جماعت کی تاکید کی اُنھوں نے کہا مجکو دق نہ کرو مگر مولوی صاحب اصرار کرتے رہے ایک دن شیطان سوار ہوا تو وہ کہہ بیٹھا کہ جاؤ ہم نماز ہی نہیں پڑھتے کرلو ہمارا کیا کرتے ہو غرض پھر عمر بھر نماز پڑھی ہی نہیں اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وعظ ونصیحت بھی ہر ایک آدمی کا کام نہیں ہے اِسی لئے میں اپنے اہل علم دوستوں سے کہا کرتا ہوں کہ ابتدائے سلوک میں وعظ و نصیحت نکیا کریں کیونکہ علاوہ بعض باطنی مفاسد کے کہ اسکو اہل طریق جانتے ہیں ایک خرابی یہ ہوتی ہے کہ قبل تکمیل تربیت کے نہ فہم درست ہوتا ہے نہ نیت اسلئے احتمال ہے انکی نصیحت کے بےمحل اور بے اثر ہونے کا اور بعض جگہ مضر ہونے کا مگر بعض لوگ اس ممانعت سے متوحش ہوتے ہیں کہ طاعت سے کیوں ممانعت کی جائے اس کے متعلق مجکو اپنا ایک واقعہ یاد آگیا کہ یہاں ایک ذاکر نے دوسرے ذاکر کو ترفع اور تحقیر کے لہجہ میں کچھ نصیحت کی مجکو اطلاع ہوئی میں نے بلاکر پوچھا آپ اپنا کام کرنے آئے ہیں یا (عزور) دوسرے کا اُنھوں نے جو جواب دیا اس سے یہ مفہوم ہوا کہ امر بالمعروف تو عبادت ہے تو یہ بھی اپنا ہی کام ہے مولویوں سے جتنا بڑا مشکل ہے مگر میں نے کہا کہ عبادت میں کچھ شرطیں بھی ہوتی ہیں یا نہیں کہا ہاں۔ میں نے کہا امر بالمعروف کی شرطیں آپ کو معلوم ہیں جواب دیا کہ اسکی شرطیں تو معلوم نہیں میں نے کہا سنئے اُن شرائط میں سے ادنیٰ شرط یہ ہے کہ عین امر بالمعروف[ف] کے وقت اپنے کو اُس سے حقیر سمجھے ورنہ وہ نصیحت اللہ کے لئے نہوگی نفس کیلئے ہوگی اور جس عبادت میں خلوص نہو وہ عبادت ہی نہیں ہے ؎

کلیدِ درِ دوزخ ست آن نماز　　　که در پیش مردم گذاری دراز

یہ مقدمات منوانے کے بعد اُن سے کہا کہ تم نے جو دوسروں کو نصیحت کی تھی اس نصیحت کی حالت میں تم نے اپنے کو افضل اور اس دوسرے کو حقیر سمجھا تھا یا نہیں اقرار کیا کہ واقعی ایسا ہوا میں نے کہا اب بھی امر بالمعروف سے ممانعت کی وجہ سمجھ میں آئی کہا ہاں آگئی غرض اتنے دلائل کے بعد اُس خدا کے بندے نے مانا کہ بیشک غلطی ہوئی میں نے کہا کہ اس غلطی کا علاج کیا کہنے لگے جو تجویز کیا جائے میں نے کہا علاج ہوتا ہے ازالۂ سبب سے اور اُس غلطی کا سبب تمھارا ذکر وشغل ہے تم ذکر وشغل کرکے اپنے کو بزرگ اور دوسروں کو حقیر سمجھنے لگے ہو اسکو چھوڑ دو کیونکہ ہر ذکر موجب قرب نہیں بلکہ بعض ذکر[ف] موجبِ بُعد ہوتا ہے اور وہ مطلوب نہیں کما قیل ؎ بہر چہ از دوست وامانی چہ کفر آں حرف وچہ ایماں ؛ بہر چہ از یار دور افتی چہ زشت آں نقش وچہ زیبا

ف امر بالمعروف کے وقت اپنے کو دوسرے سے حقیر جانے

ف بعض ذکر موجب بُعد ہوتا ہے

غرض کہ انکو ذکر سے منع کر دیا مگر پھر ساتھ ہی ذکر کا ادب غالب ہوا اور اسکا بالکلیہ موقوف کرانا گوارا نہ ہوا اسلئے چلتے پھرتے ذکر کی اجازت دیدی صرف ہیئت خاصہ کو موقوف کرا دیا اور ازالۂ کبر کے لئے خانقاہ والوں کی جوتیاں سیدھی کرنے کا انکو مشورہ دیا وہ خود کہتے تھے کہ دس دن میں وہ نفع ہوا جو دس برس میں بھی نہ ہوتا غرض نصیحت کرنا بھی ہر ایک کا کام نہیں ہے جیساکہ وہ مولوی صاحب جماعت کی جگہ اس شخص سے نماز بھی چھڑوا بیٹھے اس کا وبال دونوں بھگتیں گے وہ تو نماز چھوڑنے کا اور یہ بے طرح اصرار کرکے نماز چھڑوانے کا غرض یہ کہ بعض لوگ حکم شریعت سنکر تعنّت (ضد) پر اتر آتے ہیں اب بتلایئے کہ یہ کیا محبت ہے یہ تو کفر ہے اگر اسپر بھی کوئی شخص مدعی محبت ہو تو اسکی محبت ایسی محبت ہے جیسا ایک جاہل شخص محب اہل بیت کا قصہ ہے کہ اس نے مسجد میں لکھا دیکھا ؎

چراغ و مسجد و محراب و منبر ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ

یہ دیکھکر آگ بگولا ہوا اور چھری لیکر حضرت علیؓ کے نام مبارک پر حملہ کیا کہ ہم تو آپ کی حمایت کرتے کرتے مر مٹے مگر تمہیں جہاں دیکھتے ہیں ان ہی میں بیٹھا پاتے ہیں اور جہلا کر حضرت علیؓ اللہ کا نام چھیل دیا ایسے بھی محبین ہیں کیا اب بھی کہو گے کہ نری محبت کافی ہے ہرگز نہیں بلکہ محبت مقرون بالاتباع (جس میں پیروی بھی ہو) لازم ہے اسپر مجھے ایک سبق آموز خواب یاد آیا کہ ایک صاحب رہنے والے تو یہاں ہی کے تھے مگر بڑوت جا رہے تھے اور صدق رؤیا میں مشہور تھے اور انکو مولد شریف سے خاص شغف تھا انھوں نے مجکو ایک خط لکھا تھا جسکو میں نے نشر الطیب میں شائع بھی کر دیا ہے اس خط میں یہ مضمون تھا کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے تھے کہ ہم اس سے زیادہ خوش نہیں ہوتے جو ہمارا نام زیادہ لے بلکہ اس سے زیادہ خوش ہوتے ہیں جو ہمارا احکام مانے اور گو خواب حجت شرعیہ نہیں مگر یہ خواب دلائل شرعیہ کے موافق ہے اسلئے میں اسکو بیان کر رہا ہوں اس خواب کے علاوہ بیداری کے ارشادات مبارکہ دیکھو سب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اتباع کرو باقی جس کو آجکل محبت کہتے ہیں کہ قصیدہ نعتیہ پڑھ دیا جائے اسکی بابت کہیں بھی امر نہیں بلکہ ایک مرتبہ کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدنا کہدیا تھا آپ نے باوجود سید السادات ہونیکے فرمایا ذاک ابراہیم کہ سید تو ابراہیم علیہ السلام ہیں اس سے حضورؐ کا مذاق مبارک معلوم ہوگیا کہ آپ اپنی زیادہ تعریف پسند نہ فرماتے تھے اسی لئے کہیں یہ نہ فرمایا امدحونی کہ میری تعریف کیا کرو بلکہ اگر فرمایا تو مبالغہ فی المدح سے منع فرمایا لا تطرونی کما اطرت النصاری عیسی بن مریم اور اگر کسی مصلحت سے آپنے فضائل بھی بیان فرمائے تو اپنے اوصاف بیان کرکے لا فخر بڑھا دیا چنانچہ فرمایا ہے انا سید ولد آدم ولا فخر مطلب یہ کہ سید ولد آدم ہونا بضرورت بیان کرتا ہوں کیونکہ سب کو اپنا درجہ بتلا دینا حکم خداوندی ہے غرض

ف اصل محبت محبت مقرون بالاتباع ہے

ف حضورؐ کا مذاق اپنی تعریف و تفضیل سے تنگ رہنا تھا

امدحونی[ف] اور اثنوا علیّ نہیں فرمایا اور اتباع کا امر بار بار فرمایا بلکہ یہاں تک تاکید فرمائی کہ اپنی مخالفت کو خدا تعالیٰ کی مخالفت فرمایا کہ من عصانی فقد عصی اللہ یعنی جس نے میری مخالفت کی اس نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی اب بتلاؤ کونسا حق بڑا ہے (مدح یا اتباع) پس جمع تو دونوں حقوق کو کرنا چاہئے لیکن بڑے حق کا اور زیادہ اہتمام کرنا چاہئے نہ کہ ایک ہی پر (اور وہ بھی دوسرے درجہ کا) اکتفا کر کے بیٹھ جاویں اور دوسرے حق کا جو کہ اعظم ہے نام بھی نہ لیا جاوے۔ نیز یہ لوگ اس ذکر مدح کو محبت کامل خیال کرتے ہیں مگر دراصل انکی یہ مدح[ف] حضور کی مدح بھی نہیں ہے کیونکہ ہر شخص کی مدح اس کے مذاق کے موافق ہوتی ہے اور اگر مذاقِ ممدوح کے موافق نہ ہو تو وہ درحقیقت مدح نہیں مثلاً اگر کوئی سررشتہ دار کو کلکٹر کے سامنے کلکٹر کہنے لگے تو سررشتہ دار اور کلکٹر دونوں برہم ہونگے کیونکہ اس نے کلکٹر کی اہانت کی۔ اسی طرح جو لوگ حضورؐ کی مدح میں ایسا غلو کرتے ہیں کہ درجہ الوہیت تک پہونچا دیتے ہیں وہ حضورؐ کی مدح نہیں کرتے بلکہ حضرت حق کی بے ادبی کر کے خدا اور رسول دونوں کو ناخوش کرتے ہیں اور ایسی گستاخیوں میں گنوار تو معذور بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ ایک تحصیلدار کا نام چراغ علی تھا اس نے ایک مقدمہ کا فیصلہ کیا تو جس شخص کے موافق فیصلہ ہوا تھا وہ کوئی دیہاتی تھا اس نے خوش ہو کر دریافت کیا کہ تحصیلدار صاحب تیرا کیا نام ہے بتلایا کہ چراغ علی تو وہ گنوار کہتا ہے کس سوہرے (سسرے) نے تیرا نام چراغ علی رکھدیا تو تو مسعل (مشعل) علی ہے اسی طرح ایک مقدمہ میں حاکم نے ایک گنوار سے دریافت کیا کہ یہ لڑکا تیرا رشتہ میں کیا ہوتا ہے کہا یہ میرا اکڈھیلڑا ہے یہ ثقیل لغت اس بیچارے نے کیوں سنا تھا وہ حیران ہوا کہ یہ کونسا رشتہ ہے اس نے اس کے معنے دریافت کئے تو آپنے کیا خوب تفسیر سے بتلایا کہ جیسے تیرا باپو مر جاوے اور تیری ماں مجھے کرے اور تو اسکی گیلوں (ہمراہ) آدے تو تو میرا اکڈھیلڑا ہوا اب بھی سمجھا کہا ایسا سمجھا کہ عمر بھر بھی نہ بھولوں گا مگر وہ گنوار تھا اسلئے اسکی گرفت نہیں ہوئی اگر کوئی مہذب اس لغت کی برسر عدالت یہی تفسیر کرے تو کیا اسکو توہین عدالت کے جرم میں جیلخانہ بھیجدیا جاوے گا میں کہتا ہوں کہ یہ لوگ جو آجکل حضورؐ کی مدح میں حد سے زیادہ غلو کرتے ہیں اور اگر انکو منع کیا جاوے تو محققین سے مزاحمت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم شاعر ہیں اور شاعر معذور ہیں کیا یہ گنوارپن کی مد میں معذور ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تعریف یہ لوگ خلاف شریعت کرتے ہیں اس میں انکی گرفت ہوگی یہ کیا مدح ہوئی حضورؐ کی جس میں شریعت کی اہانت ہو انبیاءؑ کی اہانت ہو حتی کہ بعض کے کلام میں حق تعالیٰ کی اہانت موجود ہے غضب کی بات ہے کہ حبِّ رسول کا دعویٰ اور یہ اقوال چنانچہ کسی بے ادب نے کہا ہے ؎ طواف کعبہ مشتاقِ زیارت کو بہانہ ہے ؛ کوئی ڈھب چاہئے آخر رقیبوں کی خوشامد کا

یعنی اے رسولؐ حج سے اصل مقصود تو آپ کی زیارت ہے مگر رستہ میں مکہ مکرمہ ہے جو بیت اللہ ہے اور

ف حضور نے مدح کرنیکا حکم نہیں دیا اتباع کا حکم دیا

ف بدعتیوں کی مدح رسول دراصل مدح نہیں

وہ مثل ہمارے آپ پر عاشق ہونے کے سبب ہمارا رقیب ہوا اور ہے زبردست اسلئے اُسکی بھی خوشامد کرتے ہیں اور کعبہ کا طواف کرکے اسکو پھسلاتے ہیں تاکہ سفر مدینہ میں مزاحم نہو خدا کی پناہ خدا کی پناہ ایسے ایسے ملحد اور بے دینوں کو عاشق رسول کہا جاتا ہے اول تو یہ کلام کفری ہے دوسرے اسکا مضمون بھی غلط ہے کیونکہ مدینہ کے ہر راستہ میں کعبہ کہاں پڑتا ہے مثلاً جو لوگ شام کیطرف سے آتے ہیں اُن کے راستہ میں مدینہ پہلے آتا ہے پھر کوئی اُس سے پوچھے کہ وہ لوگ مکہ میں کیوں آتے ہیں۔ بس ان لوگوں میں نہ دین ہے نہ عقل ہے اپنے معہ میاں مٹھو بنتے ہیں کہ "کیسا اچھا شعر کہا ہے واہ واہ"۔ تو اس واہ واہ کا قیامت میں مزہ معلوم ہوگا۔ میں آپ کو ایک معیار بتلاتا ہوں اُس سے جائز یا ناجائز مدح کا پتہ چلنا نہایت آسان ہے وہ معیار یہ ہے کہ مدح کیوقت یوں غور کرکے دیکھئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس مجلس میں تشریف رکھتے ہوں تب بھی آپ کے سامنے یہ کلام کہہ سکتا ہے یا نہیں اگر اُسوقت بھی کہنے کی ہمت ہو تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں اور جو ایسی مدح نہو تو نہ وہ مدح ہے نہ نعت ہے بلکہ اس شاعر کی ناک میں ناٹھ ہے اسی طرح ایک اور شعر ہے ؎

پئے تسکین خاطر صورت پیراہن یوسف ۔۔۔ محمدؐ کو جو بھیجا حق نے سایہ رکھ لیا قد کا

یعنی جیسے یعقوب علیہ السّلام نے اپنی تسلی کیواسطے یوسف علیہ السّلام کا کرتہ مبارک رکھ لیا تھا اسی طرح حق جل جلالہٗ نے آنحضرتؐ کا سایہ اپنے پاس رکھ لیا کہ تسلی رہے کیا نعوذ باللہ حضورؐ دنیا میں آکر خدا سے غائب ہوگئے تھے اور نظر نہ آتے تھے کیا نعوذ باللہ حق تعالیٰ کو سکون کی بھی ضرورت ہے۔ ناس ہو ایسی جہالت کا شاعر نے اپنے نزدیک حسن تعلیل برتی ہے اور اُس پر نازاں ہے اول تو وہ روایت ہی متکلم فیہ ہے (مشکوک) جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا بیان ہے دوسرے خود اس روایت میں سایہ نہونے کی یہ وجہ بھی موجود ہے کہ آپ پر ابر سایہ فگن رہتا تھا اسلئے آپ کا سایہ نہ ہوتا تھا اور یہ علت کیسے ہو سکتی ہے جو شاعر نے بیان کی ہے کیا وہ خدا کو حاضر ناظر نہیں جانتا۔ یہ تو حق تعالیٰ کی شان میں دو شعروں کا مختصر بیان تھا اب اہانت انبیاءؑ کا نمونہ سنئے ایک شخص نے کہا ہے ؎

بر آسمانِ چہارم مسیح بیمار ست ۔۔۔ تبسّم تو برائے علاج در کار ست

کیا شاعر صاحب دیکھنے گئے تھے کہ حضرت مسیح بیمار ہیں غرض یہ مضمون بالکل غلط ہے عالم علوی میں مرض کا کیا کام اور یوسف علیہ السّلام کو تو شاعروں نے نعوذ باللہ زرخرید بنا رکھا ہے۔ اُنکا ذرا بھی ادب نہیں کرتے ایک مداح نے حضرت یعقوب علیہ السّلام کی بے ادبی کی ہے۔ مشہور ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی جاتی رہی تھی اول تو اُن کے بالکل نابینا ہونے میں اختلاف ہے بعض کا قول (ف) ہے کہ بینائی کمزور ہوگئی تھی کیونکہ اکثر علماء کے نزدیک انبیاء میں کوئی ظاہری عیب بھی نہیں ہوتا تاکہ لوگوں کو اُن سے طبعی نفرت بھی نہ ہو

ف حضرت یعقوب کی بینائی کمزور ہوگئی تھی

ف انبیاء عیب ظاہری سے پاک ہوتے ہیں

اور اتباع نکرنے کیلئے معمولی سا بہانہ بھی نہ ملے اور اگر نابینا ہوئے بھی ہوں تو خلقۃً نابینا نہیں تھے بلکہ شدت غم سے ہوگئے تھے جسطرح اور عوارض جسمانی وامراض لاحق ہواکرتے ہیں پس اگر اور امراض کی طرح یہ مرض ہو بھی گیا ہو توکیا وہ مکرم نہیں رہے اور اُنکی گستاخی جائز ہوگئی غرض ایک شاعر نے حضور کا سراپا لکھا ہے اور سراپا لکھنے کے لئے ایک سیاہی تیار کی ہے اُسکے رگڑنے کیلئے چشم یعقوبی کو توبہ توبہ کھرل کروانا ہے۔ مولوی محمدحسین صاحب فقیر دہلوی بدعتیوں کے حق میں بڑے سخت تھے انتظام کیلئے کچھ آدمی ایسے بھی ہونے چاہئیں انھوں نے اُس کا خوب جواب دیا ہے ؎

ابھی اُس آنکھ کو ڈالے کوئی پتھر سے کچل | نظر آتا ہے جسے دیدۂ یعقوب کھرل
توبہ ہے یوں ہو کہیں عین نبی مستعمل | کوئی تشبیہ نہ تھی اور نصیب اجہل

نعوذ باللہ کتنی بڑی گستاخی ہے نبی کی شان میں کہ اُن کی چشم مبارک کو کھرل بنایا ہے۔ افسوس مسلمان کہلاکر ان لوگوں کو ان باتوں کی کیسے جرأت ہوتی ہے۔ درحقیقت اُن میں ایمان ہی کی کمی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو باوجود یقینی افضلیت کے یہ ارشاد فرمائیں لا تفضلونی علی یونس بن متی کہ مجکو یونس علیہ السلام پر فضیلت نہ دو اور یہ مدعیان محبت انبیاء کی اہانت کریں اور اس حدیث میں یونس علیہ السلام کی تخصیص کی وجہ ایک قصہ ہے جس کے اکثر اجزاء کا بیان قرآن شریف میں ہے جس سے ناواقف کو اُن پر نقص کا وسوسہ ہوسکتا تھا چنانچہ ارشاد ہے وذاالنون اذذھب مغاضباً الآیۃ یعنی وہ اپنی قوم سے خفا ہوکر حق تعالیٰ سے بلا صریح اجازت لئے اپنے اجتہاد سے بستی سے باہر چلے گئے تھے کیونکہ اُن کی قوم پر نزول عذاب کی خبر دی گئی تھی اسپر وہ اپنے اجتہاد سے چلدیئے خدا تعالیٰ سے نصاً استفسار نکیا حق تعالیٰ کو اُنکی شان کے اعتبار سے یہ بات ناپسند ہوئی کہ بدون حکم کے کیوں چلدیئے اس کا تدارک یہ کیا گیا کہ جب اُنکے راستہ میں دریا آیا اور وہ کشتی میں سوار ہوئے توکشتی چکر کھانے لگی لوگ کہنے لگے کہ اس میں کوئی بھاگا ہوا غلام ہے۔ یونس علیہ السّلام بولے کہ صاحبو! میں ہوں بھاگا ہوا غلام مگر سب نے انکار کیا اور کہا کہ آپ صورت سے غلام نہیں معلوم ہوتے آپ تو بھلے آدمی معلوم ہوتے ہیں ؎

ف حدیث لا تفضلونی کی شرح

مرد حقانی کی پیشانی کا نور | کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

واقعی انبیاء علیہم السلام کی صورت سے اُنکا عاقل ومہذب اور شریف ہونا کافروں کو بھی معلوم ہوجاتا ہے۔

؎ نور حق ظاہر بود اندر ولی | نیک بیں باشی اگر اہل دلی

جب ہر ولی کی یہ شان ہے تو نبی کیلئے نور حق ظاہر بود اندر نبی بدرجہ اولیٰ صادق ہوگا توکشتی والوں نے آپکے قول کو نہ مانا اور کشتی کی وہی حالت تھی آخر قرعہ کی تجویز ہوئی کہ جس کا نام قرعہ میں نکلے اُسکو

دریا میں ڈالدیا جاوے۔ جب بار بار قرعہ انھیں کے نام نکلا اور یہ بھی اصرار کرتے رہے کہ عبد آبق میں ہی ہوں تو اُنکو مجبوراً دریا میں پھینک دیا گیا وہاں ایک بڑی سی مچھلی آئی اور اُن کا ایک لقمہ کرکے چلی گئی چالیس روز تک آپ اُس کے پیٹ میں رہے اور تسبیح و استغفار کرتے رہے پھر مچھلی نے آپکو کنارہ پر اُگل دیا اتنے دنوں میں ضعف بہت ہوگیا تھا اسلئے حق تعالیٰ نے آپ کی حفاظت کیلئے ایک درخت اُگا دیا یہ قصہ قرآن شریف میں کئی جگہ آیا ہے اس قصہ سے احتمال تھا کہ شاید کوئی احمق اسکو دیکھکر یہ سمجھ جاتا کہ حضرت یونس علیہ السّلام کا یہ فعل اچھے درجہ کا نہیں اسلئے حضورؐ نے خاص طور پر آپ کا نام لیکر منع فرمایا کہ اُن پر مجکو فضیلت مت دینا یعنی جس نبیؑ کے متعلق تمکو شبہ بھی ہوسکتا ہے اُن پر اپنی رائے سے مجکو فضیلت نہ دو کیونکہ تم اپنی رائے سے فضیلت دوگے تو عنوان غلط تجویز کروگے ہاں تفضیل بالنص کا مضائقہ نہیں جس میں رائے کا اصلا دخل نہو کیونکہ نص میں جو تفضیل وارد ہے اُسمیں کسی نبی کی تنقیص لازم نہیں آسکتی اور تفضیل بالرای میں اس کا قوی احتمال ہے یہ وجہ ہے ممانعت تفضیل کی ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیاء سے یقیناً افضل ہیں آپ کی تو یہ شان ہے ؎

لایمکن الثناء کما کان حقہٗ ... بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اسلئے آپ نے لا فضل لی علی یونس بن متی نہیں فرمایا (میں یونس سے بہتر نہیں ہوں) بلکہ لا تفضلونی (تم مجھے مت بڑھاؤ) فرمایا ہے جب حضورؐ کو جملہ انبیاء کے احترام کا اس درجہ اہتمام تھا تو اُنکی اہانت کرکے آپ کی نعت بیان کرنا کیا اس کا نام مدح نبوی ہے ہرگز نہیں بلکہ وہ اس مدح سے حضورؐ کا دل دکھاتے ہیں اسی لئے میں کہتا ہوں کہ جس ذکر و مدح کو اُن لوگوں نے کمال محبت قرار دے رکھا ہے وہ محبت نہیں بلکہ حضورؐ کو ایذاء رسانی ہے پھر وہ لوگ کیا منہ لیکر ہم لوگوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ حضورؐ کا ذکر نہیں کرتے غرض یہ کہ اُن کا اعتراض بالکل لغو ہے بلکہ میں نے ثابت کردیا کہ ہم لوگ ہر وقت حضورؐ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں کیونکہ دین کے ہر جزو کا ذکر بواسطہ آپ ہی کا ذکر ہے مگر کبھی کبھی میں اس ذکر کو بلا واسطہ بھی کردیتا ہوں اور یہ ذکر بلا واسطہ کبھی ربیع الاول کے قریب کبھی اُسکے اثناء میں ہوتا ہے کیونکہ وہ مہینہ مذکر (یاد دلانا ہے) ہوجاتا ہے حضورؐ کے تمام کمالات کا اس تذکیر کے اثر سے اس مہینہ میں بھی یا اُس کے آس پاس ذکر ہوجاتا ہے اور مذکر اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ بھی ربیع الاول ہی میں ہوئی ہے اور بقول بعض کے نبوت بھی اس ماہ میں عطا ہوئی اور وفات بھی اس میں ہوئی اس لئے یہ مہینہ ان کمالات کا مذکر ہوجاتا ہے اور وفات کے کمالات مقصودہ میں سے ہونے پر میں ایک تعجب کو متفرع کرتا ہوں (عجیب بات نکالتا) وہ یہ کہ ولادت شریفہ کی طرح حضورؐ کی وفات شریفہ کا ذکر کبھی کیوں نہیں کیا جاتا چنانچہ اہل میلاد سے آپنے ذکر وفات کبھی نہ سنا ہوگا بلکہ بعض نے منع

ع بھاگ گئے والا غلام ۱۲

ف تفضیل بالنص جائز، تفضیل بالرائے ناجائز ۱۲

ف حضور کو ایذا دینے والے کس منہ سے ہم پر اعتراض کرتے ہیں

ف حضور کی وفات بھی کمالات مقصودہ میں سے ہے

کر دیا ہے حالانکہ وفات متمم ہے اس عالم کے کمالات کی اور متمم کی فضیلت ظاہر ہے اسکا کون انکار کرسکتا ہے یعنی اس عالم کے کمالات کی انتہاء اور اُس عالم کے کمالات کی ابتداء ہے وفات شریف سے۔ گویا وفات درحقیقت ولادت ہوتی ہے عالم ملکوت میں اور جیسا دہاں کی ولادت اشرف ہے ایسا ہی اُس کا ذکر بھی افضل ہوگا پس وفات شریفہ کا تذکرہ بھی کبھی کبھی کرنا چاہیئے چنانچہ میں نے اپنے ایک وعظ میں وفات کا ذکر کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ حضور کی وفات بھی ولادت ہی ہے یعنی ولادت ملکوتیہ اور اس وعظ کا نام المولد البرزخی رکھا ہے غرض کہ آپ کی ولادت ناسوتیہ بھی ربیع الاول ہی میں ہے اور ولادت ملکوتیہ بھی اور باقی تمام واقعات بین الربیعین ہیں اسلئے یہ مہینہ سب کمالات کا مذکر ہوجاتا ہے کیونکہ وہ محفوف ہیں (گھرے ہوئے) ربیعین کے درمیان میں اسی لئے ماہ ربیع کی فضیلت میں ملا علیؒ فرماتے ہیں ؎

(وفات شریفہ کا تذکرہ بھی کبھی کبھی کرنا چاہیئے)

لھذا الشھر فی الاسلام فضل ومنقبۃ تفوق علی الشھور

ربیعٌ فی ربیعٍ فی ربیعٍ ونورٌ فوقَ نورٍ فوق نورٍ

(اسلام میں یہ مہینہ دوسرے مہینوں سے بڑھا ہوا ہے۔ یہ بہار در بہار اور نور بر نور ہے)

غرض اس بناء پر ربیع الاول کے قریب یا اُس کے اثناء میں گاہ گاہ میرا معمول ہے کہ مقصوداً یا بلا واسطہ بھی حضور کا ذکر کیا کرتا ہوں اسی وجہ سے اس سال کے ماہ صفر میں میں نے آیت لقد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلام ویخرجھم من الظلمٰت الی النور کا بیان کیا تھا اور آج کہ خود ربیع الاول کا زمانہ ہے پھر اُسی کے متعلق بیان کا قصد تھا کیونکہ گذشتہ جلسہ میں کچھ مضامین اس آیت کے متعلق رہ گئے تھے اور اُسی وقت خیال تھا کہ کسی دوسرے جلسہ میں اُنکو بیان کرونگا مگر جن کاتب نے وہ مضمون لکھا تھا آج وہ موجود نہیں ہیں اسلئے میں نے اسوقت دوسری آیت اختیار کی چنانچہ اس دوسری آیت کے متعلق بیان کرتا ہوں حاصل اس آیت کا یہ ہے کہ ایک واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے صحابہ کے ساتھ خاص برتاؤ کرنے کا غالباً واقعہ تو سب کو معلوم ہوگا مگر مجملاً میں بھی ذکر کرتا ہوں کہ بعض صحابہ سے غزوۂ احد میں ایک غلطی ہوگئی تھی اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے ؎

گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

طفل کے نہ گرنے یعنی اس سے لغزش نہ ہونے پر ایک قصہ یاد آیا۔ ایک محقق خوش مزاج بزرگ سے ایک بچہ نے بیعت کی درخواست کی آپنے فرمایا کہ کوئی گناہ تو ابھی کیا ہی نہیں توبہ کس چیز سے کراؤں توبہ تو گناہ سے ہوا کرتی ہے اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اُن حضرت نے گناہ کی رائے دی بزرگوں کے بعضے کلام کا مطلب سمجھنا بڑا دشوار ہے۔ حقیقت اس کلام کی یہ ہے کہ توبہ کی ضرورت گناہ کے بعد ہے یہ نہیں کہ توبہ کی ضرورت سے

گناہ کرنا چاہیئے اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ طبیب کسی تندرست آدمی کی نبض دیکھکر نسخہ نہ لکھے اور یہ کہے کہ تم کو دوا کی ضرورت نہیں کیونکہ تم بیمار نہیں ہو تو کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ بدپرہیزیاں کرکے بیمار ہو جاؤ تاکہ دوسرے مریضوں کی طرح تمھارے واسطے بھی نسخہ لکھا جاوے سو یہ مطلب ہرگز نہیں بلکہ ایک واقعہ کی خبر دینا ہے کہ غیر مریض کے لئے نسخہ نہیں لکھا جاتا ورنہ اگر یہ مطلب ہو تو سرحدی جیسا واقعہ ہو جاوےگا کہ ایک سرحدی ہندوستان آیا تھا اور کسی مقام پر ڈاکوؤں کے ہاتھ سے زخمی ہو گیا ایک شخص نے اسکی خوب خدمت کی اور علاج کیا سرحدی نے تندرست ہو کر بہت خوشی سے کہا کہ میاں صاحب اگر کبھی ہمارے ملک میں آنے کا اتفاق ہو جاوے تو ہم سے ضرور ملنا ہم تمھاری خدمت کا صلہ دینگے اتفاقاً وہ ہندوستانی ایک مرتبہ اُدھر جانکلا اور تلاش کرکے خانصاحب کے گھر بھی پہونچا۔ خانصاحب اُسکو مکان پر بٹھلا کر کہیں غائب ہو گئے اس کی بیوی نے دریافت کیا تم کون ہو تمھارا کیا واقعہ ہے انھوں نے سارا قصہ بیان کیا اس نے کہا میاں صاحب یہاں سے اسی وقت چلدو کیونکہ خانصاحب اکثر تم کو یاد کرکے یوں کہا کرتے تھے کہ ہمارا ہندوستان میں ایک دوست ہے جس نے ہمارے زخموں کا علاج کیا تھا اگر وہ محسن دوست یہاں آ پہونچے تو میں اسکو زخمی کر کے اُسکی خوب خدمت اور مرہم پٹی کروں تو وہ اب چھرا لینے گیا ہے تاکہ اول تم کو زخمی کرے پھر علاج کرے تم بھاگ جاؤ پس اُن حضرت کا مطلب یہ نہ تھا کہ اس سرحدی کی طرح اول گناہ کرے پھر توبہ کرے بلکہ مطلب یہ تھا کہ جب گناہ نہیں ہوا تو توبہ کس چیز سے کراؤں کیونکہ بدون مرض کے علاج کی ضرورت نہیں ہوتی ہاں مفرحات ومقویات کا استعمال ہو سکتا ہے یہ قصہ درمیان میں یاد آگیا تھا۔ اصل میں یہ بیان کر رہا تھا کہ غلطی کا وقوع صحابہؓ سے قابل تعجب نہیں وہ شہسوار تھے کبھی کبھی گھوڑے سے گر گئے بلکہ اس میں حکمتیں ہوتی ہیں جنکو اہل طریق نے مختلف عنوانوں سے بیان کیا ہے چنانچہ ایک عنوان جو سب سے بڑھکر ہے وہ ہے جس کو نظامی فرماتے ہیں ؎

ف صحابہ کی غلطیوں میں حکمتیں تھیں

گناہ من ار نامدے در شمار — ترا نام کے بودے آمرزگار

مگر یہ ناز ہے جو ہر شخص کو زیبا نہیں اسلئے آپ نہ کرنے لگیں ورنہ کبھی وہ حال ہو جیسے ایک احمق شخص نے ایک ولایتی کو دیکھا کہ وہ اپنے گھوڑے کو بڑے پیار سے دانہ کھلا رہا تھا کابلی لوگ گھوڑے کی بڑی قدر کرتے ہیں اور اس پر خوب خرچ کرتے ہیں قیمتی قیمتی گھوڑے رکھتے ہیں گھوڑے کے قیمتی ہونے پر ایک کابلی تاجر کا قصہ یاد آیا کہ وہ کسی رئیس کے پوچھنے پر اپنے گھوڑے کی بڑی قیمت کہہ رہے تھے خریدار نے کہا تم بڑے گراں فروش ہو اُس نے کیا مزے کا جواب دیا کہ تم بڑے ارزاں خر ہو۔ غرض وہ کابلی اپنے گھوڑے کو بہت محبت سے دانہ کھلا رہا تھا وہ گھوڑا دانہ کھاتے ہوئے کبھی منہ مارتا کبھی دولتی

پھینکتا اور وہ کابلی کہتا بیٹا کھاؤ اور جدھر وہ منہ لیجاتا اسی طرف یہ دانہ لیجاتا۔ اس شخص نے یہ ماجرا دیکھا تو دلمیں کہا کہ افسوس ہماری بیوی ہماری اتنی قدر بھی نہیں کرتی جتنی یہ کابلی گھوڑے کی قدر کرتا ہے جب ہماری کچھ قدر نہیں ہوتی تو انسان ہونے سے کیا فائدہ اس سے تو گھوڑا ہی بننا بہتر ہے گھر جاکر بیوی سے کہا کہ ہم اب گھوڑے بنیں گے بیوی نے کہا چاہے تم گدھے بن جاؤ میرا کیا حرج ہے چنانچہ اُس نے دو کھونٹے گاڑے اور ایک رسی گلے میں باندھی اور ایک کھونٹے میں پچھاڑی باندھی اور دم کی جگہ جھاڑو بندھوائی اور دانے کا توبڑا منہ پر بندھواکر دولتیاں چلانے لگا اور اصل مقصود کا انتظار ہی تھا بیوی سے کہا تم یوں کہنا کہ بیٹا کھاؤ بیٹا کھاؤ اس کو دیھاندمیں چراغ سے جو پیچھے رکھا تھا جھاڑو میں آگ لگ گئی اُس سے کپڑوں میں لگ گئی میاں کے اگاڑی پچھاڑی لگی ہوئی تھی یہ کس طرح بچتے بیوی بھی احمق کی ہی تھی اُس نے محلہ والوں کو پکارا کہ ارے دوڑو میرا گھوڑا جلا مگر سب نے کہا کہ اس کے گھر میں گھوڑا کہاں سے آیا مسخری ہے یوں ہی مذاق کر رہی ہے بس آپ گھوڑے بنکر جلکر مرنڈا ہو گئے اچھا ناز کیا اسیواسطے کہتا ہوں کہ ہر شخص کو ناز کرنا زیبا نہیں۔ نظامی کا ناز دیکھکر آپ ناز نہ کرنے لگئے مولانا فرماتے ہیں

ے نازرا روئے بباید ہمچو ورد ۔۔۔ چون نداری گرد بدخوئی مگرد
عیب باشد چشم نابینا و باز ۔۔۔ زشت باشد روئے نازیبا و ناز
پیش یوسف نازش وخوبی مکن ۔۔۔ جز نیاز و آہ یعقوبی مکن

کیونکہ تم نظامی تو ہونے سے رہے ہاں بدنظامی ہو جاؤ گے۔ غرض کاملین سے صدور خطا ہونے میں بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں اُنکی خطا کی مثال سنکھیا مدبر جیسی ہے۔ سنکھیا کو حکیم مدبر کر کے کھلاوے گا تو مفید ہوگا اور ناتجربہ کار ویسے ہی کھاوے گا تو مرجاوے گا پس یاد رکھو کہ صحابہؓ کی خطا کی یہ شان ہے ے

گر خطا گوید ورا خاطی مگو ۔۔۔ در شود پُر خون شہید آن را مشو
خون شہیداں را ز آب اولیٰ ترست ۔۔۔ ایں خطا از صد صواب اولیٰ ترست

اور اس میں راز یہ ہے کہ اُنکی غلطی اکثر اجتہاد سے ہوتی تھی اور ہماری غلطی فساد وعناد سے ہوتی ہے مگر باوجود خطائے اجتہادی ہونے کے سزا اور تنبیہ کیوقت وہ فوراً خطاوار ہونے کا اقرار کر لیتے ہیں اجتہاد کا عذر پیش نہیں کرتے کیونکہ تنبیہ کے وقت تاویل کرنا گستاخی و بے ادب کا کام ہے جیسا کہ آج کل مرض ہے کہ باوجود صریح خطا ہونے کے بھی اقرار کرنا موت ہے جھوٹی جھوٹی تاویلیں گڑھتے چلے جاتے ہیں حالانکہ جھوٹی تاویل تو قبیح ہے ہی سلف کا مذاق تو یہ تھا کہ صحیح تاویل کو بھی ہر جگہ پسند نہیں کرتے تھے چنانچہ سفیان ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ مجکو من غشّنا فلیس منا میں تاویل کرنا پسند نہیں کیونکہ

تاویل کرکے اس ارشاد کی غرض فوت ہوجاتی ہے کہ پھر اس سے اُس درجہ کا زجر نہیں ہوتا جو مقصود ہے اور اُن کا یہ قول بالکل درست ہے البتہ خوارج اور معتزلہ کا استدلال رد کرنے کی وجہ سے تصحیح عقائد کے لئے تاویل کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ وہ مرتکب کبیرہ کو کافر کہتے ہیں اور ایسی حدیثوں سے بھی استدلال کرتے ہیں اس میں تاویل کرکے اُن کا استدلال توڑ دیا جاتا ہے لیکن جہاں خائن کو زجر کرنا ہو وہاں ہم بھی سفیان بن عینیہ ہی کیساتھ ہیں تاکہ زجر مقصود فوت نہو۔ اسی طرح سزا دینے والا سزا دینے کیوقت یہ نہیں پوچھا کرتا کہ تم نے یہ غلطی قصداً کی ہے یا اجتہاد سے کی ہے تربیت کا مقتضا یہی ہے کہ غلطی کو غلطی ہی ظاہر کیا جاوے اور گو حق تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ صحابہؓ کی یہ غلطی اجتہاد سے تھی مگر اُس کے خلاف کی بھی تصریح نہیں پس سکوت عنہ ہے اب اگر کسی اور طریق سے اسکا خطا اجتہادی ہونا ثابت ہوجاوے تو انکار کی گنجائش نہ رہے گی چنانچہ دوسرے دلائل سے اس کا اجتہادی ہونا معلوم ہے اُسکی مختصر تقریر بھی عنقریب آتی ہے۔ اب میں قصہ بیان کرتا ہوں شروع یوں ہوا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احد میں ایک گھاٹی پر پچاس تیر اندازوں کو بٹھا دیا اور یوں ارشاد فرمایا کہ تم اس گھاٹی پر سے جا ہے ہمارا کچھ ہی حال ہو ہٹنا نہیں اس کے بعد جب لڑائی شروع ہوئی اور کفار بھاگنے لگے تو اُن پچاس صحابہؓ میں سے اکثر کی رائے یہ ہوئی کہ چلو غنیمت کی لوٹ میں ہم بھی شریک ہوں۔ یہاں ایک بات ضمناً بیان کرتا ہوں کہ یہاں سے کثرت ف رائے کا مسئلہ بھی معلوم ہوگیا کہ باوجود کثرت رائے پر عمل کرنے کے بھی اس فعل کو شرعاً ناپسند کیا گیا جب صحابہؓ کی رائے کا یہ حال ہے تو پھر ہم کس شمار میں ہیں نہ معلوم آجکل کثرت رائے کو کس بناء پر معیار صواب قرار دے رکھا ہے شریعت میں اسکی کوئی اصل نہیں فقط اہل یورپ کی تقلید سے ایسا کرتے ہیں باوجودیکہ دعویٰ کرتے ہیں انکی مخالفت اور مقاطعت کا اور یہ بھی یاد رکھو کہ ان صحابہؓ کی یہ شرکت فی الغنیمۃ کسی دنیوی غرض سے نہ تھی .... یعنی مال حاصل کرنے کے واسطے نہیں تھی کیونکہ غنیمت کا حکم یہ ہے کہ جو بھی جہاد میں شریک ہوا اسکو غنیمت سے حصہ ملتا ہے خواہ وہ لوٹ میں شریک ہو یا نہو یہ نہیں ہے کہ جس کے جو ہاتھ لگے وہ لے بھاگا بلکہ اول سب غنیمت کو جمع کرکے پھر سب مجاہدین پر تقسیم کیا جاتا ہے جب یہ معلوم ہوگیا تو اگر وہ صحابہؓ گھاٹی پر بیٹھے رہتے تب بھی اُنکو اُتنا ہی حصہ ملتا جتنا کہ لوٹ میں شرکت کے بعد ملا تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ انھوں نے تحصیل مال کے لئے شرکت کی تھی بلکہ محض ف قتال میں شرکت چاہی تھی تاکہ ثواب میں اضافہ ہو کیونکہ ان لوگوں نے ظاہر میں اب تک کچھ کام نہ کیا تھا صرف گھاٹی پر خالی ہی بیٹھے رہے تھے وہ یہ سمجھے کہ ہم نے کچھ کام نہیں کیا لاؤ جہاد میں ہم بھی عملی حصہ لیں خوب سمجھ لو بے علمی کیوجہ سے بعض لوگ صحابہؓ پر طمع دنیوی کا طعن

ف کثرت رائے کا حکم

ف صحابہ کی شرکت فی الغنیمت کی غرض

کرتے ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے جیساکہ مفصل معلوم ہوچکا غرض اُن صحابہؓ نے اپنی یہ رائے سردار سے ظاہر کی کہ ہم غنیمت میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو انھوں نے منع کیا اور کہا کہ حضورؐ کا ارشاد عام تھا کہ یہاں سے کسی حال میں نہ ہٹنا اور شرکت غنیمت میں اس کی مخالفت ہے اُنھوں نے جواب دیا کہ حضورؐ کا ارشاد معلل تھا یہ مطلب نہ تھا کہ فتح کے بعد بھی گھاٹی سے نہ ہٹنا بلکہ عام ممانعت سے فتح کے قبل کی ہر حالت میں جما رہنا مراد تھا جب فتح ہوگئی تو پھر یہاں ٹھہرنے کی ضرورت ہی کیا ہے حضورؐ کے ارشاد کی غرض فتح تک ٹھہرنا تھا القصہ وہ سردار تو مع چند آدمیوں کے وہاں پر رہ گئے اور باقی سب شریک غنیمت ہوگئے۔ خالدؓ بن الولید اسوقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے اُنکو جاسوس نے خبر دی کہ گھاٹی خالی ہوگئی ہے وہ فنون حرب کے بڑے ماہر تھے فوراً سپاہیوں کی ایک تعداد کو لیکر گھاٹی پر آپہونچے اور جو چند صحابہؓ وہاں رہ گئے تھے اُنکو قتل کر کے پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا کیونکہ گھاٹی پر جو چند مسلمان باقی رہ گئے تھے وہ انکے مقابلہ کو ناکافی ہوئے۔ اُدھر کفار کو جب معلوم ہوا کہ گھاٹی پر اُنکے آدمی پہونچ گئے تو وہ بھی بھاگتے بھاگتے واپس لوٹے اسطرح صحابہؓ درمیان میں پس گئے اسی ہُلڑ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک شہید ہوگیا اور خود پر پتھر آکر لگا وہ سر مبارک میں گھس گیا آپ تکلیف کے باعث ایک جگہ سایہ میں تشریف فرما ہوئے تو شیطان نے اعلان کر دیا الا ان محمدا قد قتل یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شہید ہوگئے یہ حالت اور یہ اعلان اسپر عشاق کے پاؤں اکھڑ گئے اس سے زیادہ پاؤں اکھاڑنے والی بات کون ہوسکتی ہے حضورؐ کو اس حالت کی خبر ہوئی تو آپ نے حضرت عباسؓ سے بلند آواز کیساتھ صحابہؓ کو پکارنے کے واسطے ارشاد فرمایا اُنکی آواز بہت بلند تھی رات کو بارہ میل تک جاتی تھی اُنھوں نے جب آواز دی کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم زندہ وسلامت ہیں اور تم کو بلا رہے ہیں تو صحابہؓ کو ہوش آیا اور سب جمع ہوگئے۔ قرآن مجید میں وَ اِذْ غَدَوْتَ سے اس آیت تک بلکہ بعد تک بھی اسی واقعہ کا ذکر ہے جس میں اول غزوۂ بدر میں نصرت کرنے کا ذکر ہے پھر غزوۂ احد کا بیان ہے اور غزوات کا بیان تو قرآن میں مختصر ہے مگر اس غزوہ کا یعنی جنگ احد کا بہت طویل بیان ہے جس میں صحابہؓ کو انکی غلطی پر متنبہ کر کے پھر اس واقعہ کی حکمتیں تبلائی گئی ہیں اور مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جس طرح فتح ونصرت نعمت ہے اسی طرح ف بلاء و مصیبت بھی نعمت ہے۔ بہر حال اس واقعہ میں صحابہؓ کرام سے دو غلطیاں ہوئیں ایک تو گھاٹی پر سے ہٹ جانا اس کا منشا تو اجتہاد تھا جیساکہ مفصل بیان کر چکا ہوں دوسری غلطی بھاگنا اور پاؤں ف اکھڑنا اس میں خطا اجتہاد سے زیادہ عذر تھا یعنی یہ غلطی حیرانی اور بیہوشی کیوجہ سے ہوئی جو کہ آنحضرتؐ کی وفات کا اعلان سنکر صحابہؓ پر طاری ہوگئی تھی کیا اس اعلان کے بعد مسلمانوں کے ہوش قائم رہ سکتے تھے خاصکر جبکہ صحابہؓ کے قلب میں اُس کا خیال بھی نہ

ف: بلاء و مصیبت بھی نعمت ہے

ف: صحابہؓ کا پاؤں اکھڑنا محبت کی حیرانی سے تھا۔

گذرتا تھا گو یہ عقیدہ ضرور تھا کہ حضورؐ کی وفات ہوگی مگر غلبۂ محبت کیوجہ سے اس جانب التفات نہ ہوتا تھا اور اسپر تعجب نکریں کہ یہ کیسے ممکن ہے میں نے خود دیکھا ہے کہ ایک بیوی کو انتقال شوہر پر بیحد صدمہ ہوا اور خود مجھ سے کہا کہ میں یہ سمجھتی تھی کہ مولوی مرا نہیں کرتے اسلئے مجکو خیال تھا کہ یہ صدمہ کبھی نہ دیکھوں گی وہ بیوی اب تک زندہ ہیں اور اُن کے اس خیال کا منشاء محض علماء کی عظمت وعقیدت تھی میں کہتا ہوں کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اگر صحابہؓ کی یہ حالت ہو تو کیا تعجب ہے۔ غایت محبت کے سبب صحابہؓ آپکی حیات ہی کے مشتاق تھے اسکے خلاف کا انکو وسوسہ بھی نہ ہوتا تھا اسی لئے تو حق تعالیٰ نے آپکی وفات کو بہت اہتمام سے بیان فرمایا ہے وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم اور صدیق اکبرؓ نے حضورؐ کے وفات کیوقت یہی آیت پڑھی تھی جبکہ حضرت عمرؓ جیسا مستقل مزاج شخص بھی گھبرا اٹھا اور وہ ننگی تلوار لئے کہہ رہے تھے کہ جو شخص حضورؐ کی وفات کا نام لے گا اسکی گردن اُتار دونگا اب سوچو کہ جبکو کبھی یہ خیال ہی نہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہمارے سامنے ہوگی بلکہ خود اپنی نماز جنازہ حضورؐ سے پڑھوانا چاہتے ہوں نہ کہ خود حضورؐ کی نماز پڑھنا اس اعلان کو سنکر ان کا کیا حال ہوگا واقعی عاشق تو یہی چاہا کرتا ہے کہ میں پہلے مروں تاکہ محبوب کو میرے جنازہ پر آکر میری بیکسی اور ثبات فی العشق کا مشاہدہ ہو کہ محبت میں ایسا پختہ رہا کہ اسی میں مرگیا اور زبان حال سے اسوقت یوں کہتا ہے

کشتۂ کہ عشق دار دنگذار دت بدینساں ‌ ‌ ‌ بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

کبھی وہ اپنے جنازہ پر محبوب کے آنے کی تمنا کرتا ہے اور کبھی کشش عشق سے اسکو مزار پر بلاتا ہے عاشق یہ کبھی نہیں سوچتا کہ محبوب میرے سامنے مرے اور میں اسکی قبر پہ جاؤں اس تصور کی اسکو ہمت کہاں ہوتی ہے جب لیلیٰ مرگئی تو مجنوں کی بُری حالت ہوئی اور اسکی قبر پہ آیا اسوقت اسکو کسی نے بتلایا بھی نہیں تھا کہ لیلیٰ کی قبر کونسی ہے مگر مٹی سونگھ کر خود ہی معلوم کرلیا کیونکہ محبوب کی مٹی بھی عاشق کو سونگھنے میں ممتاز ہوتی ہے اسی کو حضرت فاطمہؓ فرماتی ہیں ؎

ماذا علی من شم تربۃ احمد ‌ ‌ ‌ ان لا یشم مدی الزمان غوالیا

یعنی جس نے حضورؐ کی تربت کو سونگھ لیا اسکو عمر بھر خوشبو سونگھنے کی ضرورت نہیں عشاق کو بوئے محبوب اپنی طرف کھینچ لیتی ہے چنانچہ مجنوں بھی اسی طرح لیلیٰ کی قبر پہ پہونچا اور وہاں جاکر چیخ مار کر بیہوش ہوگیا پھر عمر بھر اسی غم میں رہا حتیٰ کہ ختم ہوگیا حقیقت میں محبوب کا عاشق کے سامنے وفات پاجانا سخت صدمہ جانکاہ ہے اسی کو حضرت فاطمہؓ دوسرے شعر میں فرماتی ہیں ؎

صُبت علیّ مصائب لوانہا ‌ ‌ ‌ صبت علی الایام صرن لیالیا

اس سے آپ اندازہ کر لیجئے کہ حضورؐ کا سانحہ وفات صحابہؓ کے لئے کیسا جانکاہ تھا کہ ایسے بڑے بڑے استقلال والے اس وقت ہل گئے۔ حقیقت میں یہ حضورؐ کا معجزہ ہے کہ صحابہؓ سے حضورؐ کے بعد بھی دین کا کام لیا گیا ورنہ سانحۂ وفات سے سب کے سب معطل ہو جاتے لوگ کہتے ہیں صحابہؓ آپس میں لڑے تھے ارے کیں ایسے عاشق بھی لڑا کرتے ہیں جو اپنے کو فنا کر چکے ہوں۔ اُن حضرات نے نفس کے لئے کچھ نہیں کیا سب کچھ دین کیلئے کیا اسواسطے انکی سب لغزشیں معاف ہیں کسی کا منہ نہیں کہ اُن پر طعن کرے بہرحال اس واقعہ میں صحابہؓ سے جو غلطیاں صادر ہوئیں وہ ایسی ہیں کہ دوسرا انکو غلطی نہیں کہہ سکتا مگر چونکہ وہ بڑے درجہ کے لوگ ہیں اور خدا تعالیٰ کو انکی تربیت منظور ہے اسوجہ سے ان کو اس خفیف خطا پر لتاڑا گیا مگر انکو اس لتاڑ میں بھی مزا ہی آیا ہوگا کیونکہ اولیاء سے زیادہ صحابہؓ میں بھی ہر مذاق موجود ہے مگر وہ حضرات ان جذبات کو زبان سے کم ظاہر کرتے ہیں اور اگر ظاہر کرتے بھی ہیں تو اُن کے الفاظ مؤدبانہ ہوتے ہیں۔ مولوی عوث علی شاہ صاحب سے کسی نے دریافت کیا کہ مولانا رومی اور شیخ عطار اور شیخ اکبر میں باوجود اشتراک مذاق وحدۃ الوجود کے کیا فرق ہے فرمایا پہلے ایک حکایت سُن لو کہ تین آدمی کسی گاؤں میں پہونچے اور پانی پینے کسی کنوئیں پر گئے وہاں ایک عورت پانی کھینچ رہی تھی ان تینوں شخصوں میں سے ایک نے تو یوں کہا کہ اماں پانی پلادو دوسرے نے کہا مرے باپ کی جورو پانی پلادے تیسرے نے کہا میرے باپ سے یوں توں کرانیوالی پانی پلادے معنون (مطلب) سب کا ایک تھا مگر دیکھ لو عنوان کے بدلنے سے کتنا فرق ہوگیا پس مولانا رومی تو اماں والے ہیں اور شیخ عطار اور شیخ اکبر دوسرے تیسرے عنوان والے ہیں خلاصہ یہ کہ بعض صوفی پھوہڑ ہوتے ہیں وہ الفاظ بیباکانہ استعمال کر جاتے ہیں۔ حضرات صحابہؓ ایسا نہیں کرتے ورنہ وہ حقائق سے خالی نہیں صوفیہ کے ہر مذاق کی اصل صحابہؓ میں موجود ہے اور احوال صحابہؓ کے دیکھنے سے اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ صوفیہ کے اس مذاق کی کہ وہ لتاڑ سے بھی مزہ لیتے ہیں ایک حدیث سے تائید ہوتی ہے حدیث میں قصہ ہے کہ بعض صحابہؓ کو جنگ احد ہی کے موقع پر منافقین کے لوٹ جانے سے وسوسہ ہوا کہ ہم بھی لوٹ جائیں مگر پھر سنبھل گئے اسکے متعلق قرآن شریف میں ارشاد فرمایا گیا اذ ھمت طائفتان منکم ان تفشلا واللّٰہ ولیھما یعنی مسلمانوں میں سے بھی دو جماعتوں نے قصد کیا تھا کہ جنگ سے ہٹ جائیں اور اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھی (اور مددگار) تھے (اسلئے سنبھل گئے) گو اس میں ان جماعتوں کی رسوائی کردی مگر ایک صحابیؓ اس واقعہ کو بیان فرما کر کہتے ہیں کہ ہم اس آیت کے عدم نزول کی خواہش نہیں کرتے کیونکہ اسمیں واللّٰہ ولیھما بھی تو ساتھ ہی کہدیا ہے اصل میں شکایت کا بھی مزہ آیا ہوگا مگر انھوں نے پردہ رکھا کہ خود شکایت کا مزہ بیان نہ کیا بلکہ اللّٰہ ولیھما کے نزول سے خوش ہونے کو بیان کر دیا اور حضورؐ نے تو ایک موقع پر صاف فرمایا ہے

ف صحابہؓ سے دین کا کام حضورؐ کے بعد لیا گیا یہ بھی معجزہ ہے

ف صوفیہ کے ہر مذاق کی اصل صحابہ کے اندر تھی ۱۲

ف صحابہؓ شکایت حق کا مزہ تو لیتے مگر پردہ رکھتے

مرحبا بمن عاتبنی فیہ ربی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود عتاب کا تذکرہ بھی محبوب معلوم ہوتا ہے غرض صحابہؓ میں صوفیہ کرام کا مذاق تو موجود تھا مگر صحابہؓ اپنے مذاق بیان کم کرتے تھے اور صوفیہ زیادہ اور صاف صاف بیان کر جاتے ہیں جیسا کہ ایک صاحب کہتے ہیں ؎

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

شاہ ابوالمعالی صاحبؒ کی حکایت ہے کہ آپ نے ایک مرید سے جو مدینہ شریف جا رہا تھا فرمایا کہ مزار شریف پر حاضر ہو کر میرا سلام حضورﷺ کی خدمت میں پیش کر دینا اس نے پہنچکر سلام عرض کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس شخص کو سلام کے جواب میں مکشوف ہوا کہ اپنے بدعتی پیر سے ہمارا بھی سلام کہدینا اس نے آکر شاہ صاحب کے پاس جواب پہونچایا مگر بدعتی کا لفظ نقل نہیں کیا شاہ صاحب کو پہلے ہی کشف ہو گیا تھا فرمایا وہی الفاظ کہو جو حضورﷺ نے ارشاد فرمائے تھے اس نے کہا حضرت جب آپکو معلوم ہی ہے تو میرے کہنے کی کیا ضرورت ہے ارشاد فرمایا کہ سنکر مزہ آویگا واقعی اس سننے میں بھی لطف ہے اس کے متعلق ابونواس کا شعر مشہور ہے ؎

الا فاسقنی خمرا وقل لی ھی الخمر ولا تسقنی سرا امکن الجھر

خود حضورﷺ نے ایک صحابی سے قرآن سننا چاہا انھوں نے عرض کیا حضرت میں آپ کو سناؤں حالانکہ آپ پر نازل کیا گیا ہے ارشاد فرمایا احب ان اسمع من غیری معلوم ہوا کہ محبوب کے کلام کو دوسرے کی زبان سے سننے میں بھی ایک خاص لطف آتا ہے جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے تو پھر صوفیوں کی کیا خطا ہے۔ آخر اس مرید نے وہ الفاظ نقل کر دیئے بس آپ سنتے ہی کھڑے ہو گئے اور وجد طاری ہو گیا رقص کرتے تھے اور بار بار یہ شعر پڑھتے تھے ؎

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو شاہ صاحب کو بدعتی فرما دیا تو ایسے افعال پر جو کہ صورۃً بدعت تھے کیونکہ وہ سماع میں شریک ہوتے تھے مگر وہ بدعت کے حقیقی درجہ میں نہیں پہونچے ہوئے تھے کیونکہ انکا سماع منکرات و محرمات سے پاک تھا اسلئے آجکل کے اہل سماع اس واقعہ سے استدلال نہ کر بیٹھیں اور جب اُن کا سماع حقیقت میں بدعت کے درجہ پر نہ تھا تو ہمکو اسکی اجازت نہیں کہ شاہ ابوالمعالی صاحبؒ کو بدعتی کہنے لگیں گو حضورﷺ نے فرمایا ہے۔ حضورﷺ کو ادنیٰ سی بات پر گرفت کا حق ہے پھر گرفت بھی محاسبانہ انداز سے نہیں بلکہ محبوبانہ انداز میں جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق ارشاد باری ہے وعصیٰ ادم ربہ فغوی بس یہ حق تعالیٰ کو حق ہے کہ اُن کو عصی وغوی جو چاہیں فرمائیں کیونکہ وہ محبوب ہیں اور آدم علیہ السلام محب ہیں اگر ہم کہیں گے

تو گت بنے گی ہاں حکایۃً و نقلاً کہنے کا مضائقہ نہیں جیسا کہ تلاوت قرآن میں ہم ہمیشہ ہی ان الفاظ کو نقل کرتے ہیں پس جسطرح حضرت آدم علیہ السلام کیطرف عصیان کی نسبت ہمارے لئے جائز نہیں اسی طرح شاہ صاحب کو بدعتی کہنے کی ہمکو اجازت نہیں اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو عقری حلقی فرما دیتے تھے مگر ہم تم نہیں کہہ سکتے یہ مضمون درمیان میں اس بات پر آگیا کہ حضرات صحابہؓ کو غزوۂ احد کی لغزش پر جو عتاب کیا گیا ہے ممکن ہے کہ بعض کو اس عتاب میں بھی لذت آئی ہو اس پر یہ حکایت شاہ ابوالمعالی صاحبؒ کی بیان کر دی تھی اس سے پہلے میں یہ کہہ رہا تھا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی یہ لغزش اجتہاد اور عذر کی بناء پر تھی جیسا کہ میرے بیان سے واضح ہو گیا ہو گا جس سے صحابہؓ دلگیر تھے انکے غم کو حق تعالیٰ نے اسطرح دور کیا کہ فرماتے ہیں فاثابکم غما بغم لکیلا تحزنوا یعنی تم نے ہمارے نبی کو غم دیا ہم نے اُسکے بدلہ میں تم کو غم دیا اور وجہ یہ فرمائی لکیلا تحزنوا اکثر مفسرین نے اس جگہ لا کو زائد کہا ہے مگر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میری سمجھ میں آگیا کہ لا کا زائد ہونا ضرور نہیں یعنی لا کو غیر زائد کہنے کی صورت میں خدا نے ایک توجیہ ذہن میں ڈالدی اور زائد تو مجبوری کو کہا جاتا ہے جب توجیہ بن سکے تو زائد کہنے کی کیا ضرورت ہے اور وہ توجیہ بھی نہایت لطیف ہے۔ اول بطور مقدمہ کے یہ سمجھو کہ اگر ہم سے بڑے آدمی کی نافرمانی ہو جائے اور وہ بڑا آدمی ہم کو کچھ سزا دے دے تو شرمندگی ختم ہو جاتی ہے ورنہ قلق ہمیشہ باقی رہتا ہے اس مشاہدہ سے معلوم ہوا کہ شریف آدمی خصوصاً عشاق کی طبیعتوں میں عمر بھر خطا سے غم رہتا ہے جب تک کہ اسکا بدلہ نہ لیا جاوے بس اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم اس ہزیمت اور شکست میں جو تم پر مصیبت پڑی ہم نے اس کو تمھاری نافرمانی کا عوض بنالیا ہے تاکہ تم کو یہ غم نہ رہے کہ ہمکو سزا نہیں دیگئی پس اس طرح صحابہؓ سے بدلہ لیکر آئندہ کے لئے اُن کے غم کو ختم کر دیا مگر اس سے گو وہ غم تو ختم ہو گیا جو صحابہؓ کو بدلہ نہ لینے سے ہوتا لیکن ایک دوسرا غم تو باقی رہ گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر ان کی طرف سے حُزن تھا جب چہرۂ مبارک کو دیکھتے کہ پہلی سی بشاشت نہیں ہے تو اور بھی رنج میں اضافہ ہو جاتا۔ صحابہؓ اسکی کہاں تاب لاسکتے تھے انکی تو یہ شان تھی کہ ایک صحابیؓ نے قبہ دار مکان بنالیا تھا اتفاقاً آنحضرتؐ کا ایک روز اس طرف گذر ہوا تو دریافت فرمایا کہ یہ مکان کس کا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ فلاں شخص کا ہے اسکو سنکر حضورؐ خاموش ہو گئے اس کے بعد وہ صحابیؓ حضورؐ کی مجلس میں حاضر ہوئے تو حضورؐ کا وہ رخ اپنی طرف نہ دیکھا جیسا پہلے تھا بس گھبرا گئے اور صحابہؓ سے دریافت کیا کہ کیا واقعہ ہے انھوں نے کہا اور کچھ تو ہمکو معلوم نہیں ہاں اتنی بات معلوم ہے کہ تمہارے مکان کو دیکھکر حضورؐ کراہت کے ساتھ خاموش ہو رہے تھے اب گو اس میں یہ بھی احتمال تھا کہ اس سکوت کا کوئی اور سبب ہو مگر صحابیؓ نے محض احتمال کراہت ہی کی بناء پر فوراً سب مکان گرا دیا

ف لکیلا تحزنوا کی عجیب تفسیر

ف صحابہؓ میں حب رسول کا ایک واقعہ

اور کمال یہ کہ اگر جتلایا بھی نہیں کہ حضورؐ میں نے وہ مکان گرا دیا ہے یہ عرض کرنے کی بھی جرأت نہوئی اللہ اکبر کتنی عظمت تھی حضورؐ کی اُن حضرات کے قلوب میں۔ آجکل کے لوگ انکی خطا کو دیکھتے ہیں مگر ان کے کمالات کو نہیں دیکھتے۔ پھر ایک مرتبہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ادھر گذر ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ مکان گرا دیا گیا ہے اسپر آپنے پختہ اور بلند تعمیر مکان کی مذمت بیان فرمائی۔ غرض حضرات صحابہؓ آپ کے انقباض اور بے رخی کو کہاں برداشت کر سکتے تھے بس اس آیت میں حق تعالیٰ نے حضور کے اس انقباض کو دور فرمایا ہے کیا ٹھکانہ ہے رحمت خداوندی کا کہ اپنے بندوں کو کسی درجہ میں بھی غمگیں نہیں رکھتے بلکہ ہر پہلو سے اُنکے رنج دور کرنے کی تدابیر فرماتے ہیں بھلا کہاں خدا اور کہاں بندہ اور پھر یہ توجہ بس اس حقیقت کو یا تو اس طرح تعبیر کیجئے کہ خدا کو اس کی کیا ضرورت تھی محض فضل و رحمت ہے یا اسطرح کہئے کہ خدا ہی کی شان ہے کہ بلاغرض اتنی توجہ فرماتے ہیں۔ غرض جس طرح چاہے تعبیر کیا جاوے ہر حال میں اس سے غایت درجہ کی توجہ معلوم ہوتی ہے اور یہ محض رحمت ہے ورنہ خدا کی شان تو اتنی برتر ہے کہ اگر وہ بندہ کیطرف مطلق التفات نہ فرماتے تو ان کو اسکا حق تھا اگر بندہ برسوں بھی پکارتا تو وہاں شنوائی نہ ہوتی مگر چونکہ خدا کی صفات قدیم دلازوال ہیں اسلئے .... یہ شنوائی نہ ہونا لغوی معنے میں محال ہے مگر عرفی معنے کے اعتبار سے صحیح ہے یعنی عدم توجہ بلکہ بفرض محال نعوذ باللہ اگر علم و سمع لازم ذات نہوتے تو بندہ اس قابل بھی نہ تھا کہ اُسکے وجود کی خبر بھی اس بارگاہ عالی تک پہونچتی مگر اب تو یہ محال ہے کہ خدا کو کسی کی خبر نہ ہو اور کسی کی بات نہ سُنے اسی لئے فرض محال کی قید لگائی تھی مگر اس سے کسی ذہن کو یہ شبہہ نہو کہ جب صفات قدیمہ ازلیہ واجبہ کیوجہ سے یہ سب باتیں وغیرہ لازم ہیں تو پھر رحمت خداوندی اضطراری ہوئی کیونکہ صفت رحمت بھی قدیم و واجب ہے اور واجب کا وجود لازم ہے تو اضطراری رحمت میں بندہ پر احسان ہی کیا ہوا یہ شبہہ بالکل باطل ہے کیونکہ علم و قدرت وغیرہ صفات تو ایسی ہیں کہ وہ خود بھی قدیم اور ان کا تعلق بھی قدیم ہے اور بعض صفات خود تو قدیم ہیں مگر ان کا تعلق قدیم نہیں ہے بلکہ حادث اور مشیت پر موقوف ہے مثلاً رحمت کہ اس کا تعلق تو قدیم نہیں بلکہ حادث ہے جو ارادہ سے ہوتا ہے بس یاد بمعنے علم تو قدیم اور ضروری ہے اور یاد بمعنے توجہ اور رحمت کا تعلق ضروری نہیں اگر حق تعالیٰ اُسکو متعلق نہ کرتے تو اس میں کوئی اشکال یا خرابی لازم نہیں آسکتی تھی بس وہ تو محض رحمت کیوجہ سے ہماری طرف توجہ کرتے ہیں ؎

من نہ کردم خلق تا سودے کنم — بلکہ تا بر بندگان جودے کنم

اسیواسطے ہمکو خدا سے بڑی امیدیں ہیں کہ وہ بلاغرض کے بندوں پر اتنی توجہ فرماتے ہیں مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری فرماتے ہیں کہ اگر آخرت میں بھی وہی خدا ہے جو یہاں ہے تو پھر کوئی فکر کی بات نہیں ہے کیونکہ

یہاں تو ہمارے حال پر بڑی عنایت فرماتے ہیں امید ہے کہ وہاں بھی یہی برتاؤ ہوگا کیونکہ یہی خدا تو وہاں بھی ہے اسی لئے بزرگوں نے لکھا ہے کہ جب صفت رحمت کا سالک پر غلبہ ہو تو اُسی مراقبہ میں مشغول رہے کیونکہ حق تعالیٰ کے شیون مختلف ہیں سب شیون کے حقوق کا ادا کرنا ضروری ہے پس صفت رحمت کا حق یہ ہے کہ سب سالک پر اُس کا ظہور ہو تو اُسی کے مراقبہ میں مشغول رہے اور اُدھر سے باوجود اُنکے استغناء مطلق کے جسکا ابھی اوپر بیان ہوا بندہ کیطرف اتنی توجہ ہونا تو قابل غور ہے ہی مگر اس سے بڑھکر یہ ہوتا ہے کہ بعض دفعہ ادھر سے بالکل توجہ نہیں ہوتی جس میں مانعیت توجہ کا اثر ہونا چاہیے مگر پھر بھی اُدھر سے توجہ ہوتی ہے اللہ اکبر اول تو وہ ذات بلا غرض توجہ کرے پھر بلا طلب طالب کے توجہ کرے یعنی مستغنی اور غیر طالب بندہ پر توجہ کرے بلکہ روگردان کی طرف التفات و نظر عنایت کرے واقعی غایت کرم ہے ؎

اے خدا قربان احسانت شوم　　　این چہ احسانست قربانت شوم

ف: غیبت حق کا عجیب مضمون

حضور ؐ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اُس بندہ سے جو جنت میں زنجیروں سے جکڑ کر داخل کیا جاویگا یہ حدیث بخاری میں حضرت ابوہریرہ سے مرفوعاً مذکور ہے اس حدیث میں عجب ربنا کا لفظ آیا ہے بوجہ محاورہ کے خوش ہونے کا ترجمہ کرتا ہوں یہ تو حدیث کا ترجمہ ہوا اور اس کا مطلب بھی خود اُسی حدیث میں ان الفاظ سے آیا ہے یعنی الاسیر یوثق ثم یوثق ثم یسلم یعنی کہ بعض کفار دار الحرب سے زنجیروں میں جکڑ کر لائے جاتے ہیں وہ یہاں دارالاسلام میں آکر مسلمانوں کا طرز و عمل دیکھکر مسلمان ہوجاتے ہیں تو یہ لوگ گویا زنجیروں میں جکڑ کر جنت میں پہونچائے گئے ہیں کیونکہ نہ وہ قیدی بنکر آتے نہ اسلام کی توفیق ہوتی یہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ بچوں کو زبردستی پکڑ پکڑ کر اکثر نہلایا جاتا ہے اور وہ روتے ہیں خود میرے ہی بچپن کا قصہ ہے کہ میں سر پر بال تو رکھتا تھا مگر کھیل میں ہفتوں سر نہیں دھوتا تھا اور اس سے بھاگتا تھا ایکبار تائی صاحبہ یعنی بڑی چچی صاحبہ نے کھلی بھگو کر رکھ لی اور جب میں گھر آیا تو موقع پاکر ایکدم سے کھلی سر پر ملدی تاکہ مجبوراً سر دھونا پڑے کسی نے کیا اچھا کہا ہے ع گر نستانی بستم می رسد۔ پس یہی حال ان قیدیوں کا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو زبردستی جنت میں بھیجنا چاہتے ہیں تھے تو وہ معاند مگر پکڑ کر قید کر کے اُن کو جنت میں لیگئے جاہل صوفیوں نے اس حدیث کے اور معنے گھڑے ہیں کہ عشاق قیامت کے دن جنت میں جانے سے انکار کریں گے کہ ہم نے جنت کیلئے تھوڑا ہی آپ سے محبت کی ہے اسلئے ان کو زنجیروں میں جکڑ کر لیجاوینگے ارے بھائی اس مطلب کی کیا دلیل ہے بلکہ خلاف دلیل ہے کیونکہ یہ تو ایک قسم کی نافرمانی ہے اللہ تعالیٰ جنت میں جانے کا حکم دیں اور وہ نہ مانیں کیا عشاق سے اس کا احتمال ہوسکتا ہے ایسے ہی جاہلوں نے تو صوفیہ کرام کو بدنام کیا ہے اور یہ تو بسا غنیمت ہے کیونکہ یہاں تو مطلب ہی میں گڑبڑ کی ہے مگر ترجمہ تو حدیث کا نہیں بدلا

ف: جاہل صوفیوں کی غلطی

بعض جگہ تو اس سے بڑھکر غضب کیا ہے کہ معنی ہی غت ربود کر دیئے چنانچہ ایک جاہل صوفی نے من ذا الذی یشفع کے معنی اس طرح کئے ہیں کہ "جس نے اسکو یعنی نفس کو ذلیل کیا وہ شفا پا گیا سن لو" من کو بجائے استفہامیہ کے موصولہ لیا اور ذل کو قطع نظر رسم خط سے بمعنے اذل لیا اور ذی کو اسم اشارہ مؤنث بنایا اور یشف مضارع جو من کی جزاء ہے اور ع کو بمعنے ۔ ع صیغہ امر بمعنے احفظ لیا آگے تو بہ کچھ حد ہے تحریف کی اور ایک صاحب نے والضحی واللیل اذا سجی کے معنے اسطرح کئے اے نفس تیری یہی سجا (سزا) ہے معلوم نہیں نفس کس لفظ کے معنے ہیں شاید لیل سے سمجھا ہو کیونکہ وہ کالی ہوتی ہے اور نفس بھی سیاہ ہوتا ہے یعنی گناہوں کی سیاہی میں ملوث (آلودہ) ہوتا ہے اور اذا میں جو ذا ہے اسکو اسم اشارہ سمجھا ہو جس کا ترجمہ ہے یہی ۔ ایک فقیر نے ہمارے ماموں صاحب سے دریافت کیا کہ بتلاؤ رزق بڑا ہے یا محمدؐ انھوں نے کہا حضورؐ ہی بڑے ہیں کہنے لگا بے پیر اعلوم ہوتا ہے پھر خود ہی بیان کیا دیکھو اذان میں اشھد ان محمدا رسول اللہ میں اَنْ پہلے ہے محمد پیچھے اسلئے اَنْ بڑا ہے اور اَنْ کہتے ہیں ہندی میں اناج کو (نعوذ باللہ من ھذہ الکفریات) یہ نکتے کہلاتے ہیں فقیری کے کوئی اُس جاہل سے پوچھے کہ انّ کے معنے اناج کے کدھر سے ہیں کیا اذان میں ہندی لغت ہے اور کیا تقدیم ذکری افضلیت کی علّت ہے خدا بچا دے اس جہالت سے ایسے ہی جاہلوں نے صوفیوں کو بدنام کیا ہے مگر اس سے علماء ظاہر کو سب صوفیوں پر ملامت کرنے کا حق نہیں ہو سکتا کیونکہ میں کہتا ہوں کہ آپ کی جماعت میں بھی تو ایسے جاہل موجود ہیں جو اس قسم کی ہزلیات بکتے ہیں چنانچہ ایک شخص نے وعظ کہا اور انا اعطینٰک الکوثر کا یہ ترجمہ کیا کہ ہم نے تجکو کوثر کی مانند دیا ہے کسی نے دریافت کیا کہ مانند کس لفظ کے معنے ہیں تو جواب دیا کہ ایک کاف تشبیہ کا ہوتا ہے اُس کے معنے مانند کے آتے ہیں اور یہ علم نحو کی بات ہے اُس نے کہا کہ کاف تشبیہ کا تو گول لکھا ہوا ہوتا ہے یہ تو لانبا لکھا ہے (واقعی جاہل کو سمجھانے کیلئے خوب طریقہ اختیار کیا) اسپر جواب دیا کہ ہم کو یہ بات معلوم نہیں تھی غنیمت ہے کہیں تو لاعلمی کا اقرار کیا ورنہ آجکل تو اس کا بھی کوئی جواب گڑھ دیتے پس جب ایسے جاہل واعظوں کے قصوں کی وجہ سے محقق علماء کو نہیں چھوڑا جاتا تو اسی طرح جاہل صوفیوں کیوجہ سے محقق صوفیوں کو بھی نہ چھوڑا جاویگا یہ مضمون اس پر چلا تھا کہ بعض جاہل صوفیوں نے اس حدیث کے معنے میں تحریف کی ہے کہ حق تعالیٰ اُن بندوں پر خوش ہوتے ہیں جو زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑ کر جنت میں بھیجے جاتے ہیں اور میں اُس سے پہلے یہ بیان کر رہا تھا کہ حق تعالیٰ کی کتنی عجیب رحمت ہے کہ طالب تو طالب وہ غیر طالب بلکہ معرض و روگردان پر بھی توجہ فرماتے ہیں کہ اُن کو بھی زبردستی جنت میں بھیجدیا جاویگا یعنی اُنکو خدا کی رحمت سے اسلام کی توفیق ہو جاتی ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ گئے تو تھے کیا ارادہ کر کے اور وہاں پہونچکر مسلمان ہو گئے ۔ اس جگہ ایک ضروری بات یاد آگئی وہ یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے

ف سب صوفیہ کیساں نہیں

ف جاہل صوفیوں کیوجہ سے محقق صوفیہ کو نہیں چھوڑا جا سکتا

مسلمانوں پر دنیا میں بھی حق تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ ہوتا ہے کیونکہ ان کا اسلام پھر اسکے برکات مادیہ و روحانیہ یہ سب دنیا ہی میں عطا ہوئے اور آخرت کے برکات جدا رہے پھر بھی افسوس ہے کہ بہت لوگ یوں کہتے ہیں کہ دنیا میں کفار پر زیادہ رحمت ہے واللہ یہ بالکل غلط ہے خدا کی قسم پھر خدا کی قسم پھر خدا کی قسم دنیا میں بھی مسلمانوں ہی پر زیادہ رحمت ہے اور دلیل اسکی یہ آیت ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں ..... فلا تعجبک اموالھم ولا اولادھم انما یرید اللہ لیعذبھم فی الحیوۃ الدنیا وتزھق انفسھم وھم کفرون یعنی کفار کو مال و اولاد اسواسطے دیا ہے کہ اُن کو دنیا میں عذاب دینا منظور ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے کفار کو جیسے اولاد و مال زیادہ دیا ہے ویسے ہی انکو ان اشیاء کی محبت بھی زیادہ دی ہے جس کی وجہ سے ہر دم وہ اس اُدھیڑ بُن میں لگے رہتے ہیں کہ اولاد کس طرح ہو مال کیسے بڑھے نفع کس طرح حاصل ہو اور اس فکر کی وجہ سے کسی وقت انکو چین و راحت نصیب نہیں ہوتی اور رحمت کا اثر دراصل راحت اور چین ہی ہے اور وہ اگر میسر ہے تو مسلمانوں کو میسر ہے یہ دوسری بات ہے کہ اُن میں باہم تفاوت ہو کہ ادنیٰ مسلمان کو ادنیٰ درجہ کی راحت اور اعلیٰ درجہ کے مسلمانوں کو اعلیٰ درجہ کی راحت باقی کفار کے مقابلہ میں عموماً سب مسلمان راحت میں ہیں کیونکہ وہ طالب آخرت ہیں اور کفار طالب دنیا ہیں اور دنیا کی یہ حالت ہے ؎

گر گریزی بر امید راحتے ہم از انجا پیشت آید آفتے

دنیا کی کوئی چیز آفت سے خالی نہیں پھر اس طالب دنیا کو راحت کہاں اور آخرت کی یہ شان ہے ؎

ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست جز بخلوت گاہِ حق آرام نیست

خلوت گاہ حق طلب آخرت ہی تو ہے کہ لقاء حق (دیدار) کا سامان کرے اور اسکے بعد علاوہ دلیل کے میں مشاہدہ کراتا ہوں اور ایک نظیر بتلاتا ہوں وہ یہ کہ دنیا میں اہل اللہ تو موجود ہیں انکو دیکھلو کس حال میں ہیں انکا حال دیکھکر یہ کہوگے ؎

ہنوز آن ابر رحمت دُر فشانست خُم و خمخانہ با مُہر و نشانست

نبوت تو ختم ہو گئی ہے مگر ولایت تو ختم نہیں ہوئی اہل اللہ اس وقت بھی موجود ہیں تجربہ کر لو تم چند روز اہل اللہ کی صحبت میں رہو اور طالبانِ دنیا کی صحبت میں بھی رہو اور دونوں جگہ محرم راز بنکر رہو جس سے صحیح حالات دونوں جگہ کے معلوم ہو سکیں واللہ معلوم ہو جاویگا کہ راحت اور چین اہل اللہ ہی کو نصیب ہے اس سے زیادہ کیا دلیل لاؤں اگر مشاہدہ غلط ہوگا تو آکر ہاتھ پکڑ لینا مگر قبل تجربہ کے اعتراض کا حق نہیں اور میں اس کا راز بھی کھولے دیتا ہوں کہ اہل اللہ کو سب سے زیادہ راحت کیوں ہے وہ یہ کہ غم ہوتا ہے خلاف توقع سے اور اہل اللہ نے توقع ہی کو قطع کر دیا ہے یعنی وہ دنیا کی کسی چیز سے توقع کو وابستہ نہیں کرتے اور نہ کسی معاملہ میں اُن کی کوئی تجویز ہوتی ہے بلکہ وہ ہر معاملہ میں وہی چاہتے ہیں جو حق تعالیٰ چاہتے ہیں تم بھی حق تعالیٰ سے تعلق پیدا کر دو

ف دنیا میں بھی رحمت مسلمانوں ہی پر ہے کفار پر نہیں قرآن سے استدلال

تو تمہاری سب خواہشیں اُس کی مشیت میں فنا ہو جاویں گی پھر یہ حال ہو گا کہ ع ہر چہ آن خسرو کند شیریں بود۔ جب تفویض ہو گئی تو یہ حالت ہو جاویگی ؎

ناخوش تو خوش بود بر جانِ من — دل فدائے یارِ دل رنجانِ من

اور یوں کہو گے ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو — دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

غرض غم اُنکے پاس نہیں پھٹکتا اور ایک لطیفہ اور بھی بتلاتا ہوں وہ یہ کہ اگر کسی وقت انکو غم ہی کا مراد حق ہونا معلوم ہو جاوے تو پھر وہ غم ہی میں مشغول ہو جاتے ہیں کیونکہ اصل مقصود تو رضا و قرب ہے نہ خوشی مقصود ہے نہ غم مقصود ہے اسلئے جب وہ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارا غمگین ہونا ہی مطلوب ہے تو اُس وقت غمگین بنجاتے ہیں اور غم ظاہر کرتے ہیں مگر ماتم نہیں کرتے بلکہ کبھی چہرہ سے کبھی کسی بات سے غم ظاہر ہو جاتا ہے باقی اہتمام اظہارِ غم کا نہیں کرتے کیونکہ اظہارِ غم کا اہتمام کرنا شرعاً ممنوع ہے اور وہ غم ہی کیا ہوا جس کے ظاہر کرنے کے واسطے اہتمام کیا جاوے وہ تو تصنع اور بناوٹ ہوگی۔ غم تو وہ ہے جو خود بخود اضطراراً ظاہر ہو۔ اس تصنع پر ایک خادمہ کی حکایت یاد آگئی جو ہمارے گھر نوکر تھی اور یہاں سے پہلے ایک شیعی نواب کے یہاں رہتی تھی وہ ایکبار ماتم میں شریک ہوئی تھوڑا سا ماتم کرکے شیرینی تقسیم ہوتی تھی ایک بار تقسیم میں اسکو بھول گئے اسکو شیرینی میں حصہ نہ ملا اسکے بعد پھر ماتم شروع ہوا ہائے حسن ہائے حسین اس نے بجائے ماتم کے ہائے جلیبی ہائے رکیبی کہنا شروع کیا عورتوں کو معلوم ہوا کہ اس کو جلیبی نہیں ملی تو اسکو بھی حصہ دیا گیا اس بیچاری نے ظاہر کر دیا کہ اصل تو جلیبی تھی نہ کہ ماتم اور دوں نے گو ظاہر نکیا ہو مگر مقصود سب کو مٹھائی ہی ہوتی ہے جسکا امتحان ہو سکتا ہے کہ ماتم میں شیرینی تقسیم نہ کرو پھر دیکھو کتنے آدمی آتے ہیں بس گویا ان کے مذاق پر ایک رکیبی اور چار جلیبی ملکر پنجتن ہو جاتے ہیں ورنہ کچھ بھی نہیں یہ حقیقت ہے ماتم کی پھر اسکو دین کہا جاتا ہے خلاصہ یہ کہ جس غم کے اظہار کا اہتمام ہو وہ تو تصنع ہے جیسا اس قصہ میں مذکور ہوا لیکن اللہ والے اُس غم کا اظہار بھی نہیں کرتے اس میں بھی وہ خوش ہی ہیں اور غم کیوقت بھی صرف اسلئے طبعاً غمگین ہوتے ہیں کہ محبوب کو انھیں غمگین دیکھنا منظور ہے باقی اندرون دل سے عقلاً وہ اسوقت بھی رضا کے ساتھ مسرور ہوتے ہیں اور سچ تو یہ ہے اہل اللہ نے جو چیز دیکھی ہے اُس کے ہوتے ہوئے ہر حال میں اُن کا خوش رہنا کیا کمال ہے خدا کا احسان مانو جس نے یہ حقائق منکشف کئے اور یہ مقامات عطا فرمائے ؎

ف اظہار غم کا اہتمام شرعاً ممنوع ہے

ف پنجتن کی حقیقت

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی — منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

الغرض دنیا میں مومنین پر جتنی رحمت ہے اس کا کوئی جزو بھی کفار پر نہیں چنانچہ اس واقعہ احد سے بھی معلوم ہوتا ہے

کہ حق تعالیٰ کو مسلمانوں کی راحت کا کس درجہ اہتمام ہے کہ اول نقد عفا اللہ عنہم فرما چکے ہیں جس سے آخرت کیطرف سے بیفکر کر دیا گیا کہ تم سے وہاں گرفت نہوگی اس کے بعد انکی دنیوی راحت کا سامان فرماتے ہیں کیونکہ اگر صرف آخرت ہی میں مسلمانوں پر رحمت مقصود ہوتی تو یہی کافی تھا عفا اللہ عنہم فرما دینا بلکہ اس جگہ اس کی اطلاع دینے کی بھی ضرورت نہ تھی جب آخرت میں پہونچتے وہاں رحمت فرما دیتے مگر اسپر بس نہیں کیا گیا بلکہ دنیا میں بھی انکو اس طرح راحت پہونچائی کہ حضور ؐ کا انقباض جو صحابہ ؓ کے لئے موجب کوفت تھا اسکے ازالہ کا بھی اہتمام کیا گیا اگر حق تعالیٰ کو دنیا میں مسلمانوں کو راحت دینا منظور نہ تھا تو یہ اہتمام کیوں کیا جاتا اگر اس راحت دنیوی پر کسی کو شبہ ہو کہ افلاس وغیرہ تو اہل اللہ کو بھی ہوتا ہے پھر اہل اللہ سے غم کی نفی کیسے صحیح ہے اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل یہ اسبابِ غم ہیں عینِ غم نہیں اس میں لوگوں کو بہت خلط ہو (دھوکا) رہا ہے کہ اسباب کو عین مُسبّب سمجھتے ہیں اسی طرح یہ بھی سمجھو کہ راحت اور ہے اور اسباب راحت اور پس یہ ضرور نہیں کہ جہاں اسبابِ غم (نتیجہ) موجود ہوں وہاں غم بھی موجود ہو مثلاً کسی کو اُسکا محبوب زور سے دبا دے کہ ہڈیاں بھی ٹوٹنے لگیں مگر ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو کہ محبوب دبا رہا ہے تو گو سبب موجود ہے مگر غم اصلا موجود نہ ہوگا بلکہ شوق میں یہ کہا جا دیگا ؎

سر بوقت ذبح اپنا اُسکے زیر پائے ہے — کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

بلکہ اسوقت اگر محبوب یہی کہے کہ تمکو تکلیف ہوتی ہو تو لاؤ تم کو چھوڑ کر رقیب کو دبانے لگوں تو اُسوقت یوں کہے گا ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت — سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

بس معلوم ہو گیا کہ دبانا عین تکلیف نہ تھا بلکہ اسباب تکلیف میں سے تھا چنانچہ جب معلوم ہو گیا کہ دبانیوالا محبوب ہے تو سب تکلیف جاتی رہی بلکہ اب سببِ راحت بن گیا اسی طرح اہل اللہ کے ظاہری مصائب کو سمجھو پس ثابت ہو گیا کہ یہ اسباب ہیں غم کے خود غم نہیں اور اہل اللہ سے ہم صرف غم کی نفی کرتے ہیں اسبابِ غم کی نفی نہیں کرتے خوب سمجھ لو مگر ان اسباب کے ساتھ بھی اہل اللہ سے غم منتفی ہے کیونکہ اہل اللہ جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ اُن کے محبوب حقیقی کا تجویز کردہ ہے تو اس تصور سے سارا غم ڈھل جاتا ہے (از مرتب) : ؎

آلامِ روزگار کو آساں بنا دیا — جو غم ہوا اُسے غمِ جاناں بنا دیا ۔ (اصغر)

ف اہل اللہ کو اسبابِ غم تو ہو سکتے ہیں مگر غم نہیں ہوتا

شروع میں تو یہ بات عقلی ہی ہوتی ہے مگر آخر میں طبعی بن جاتی ہے اور اگر کوئی یہ سوال کرے کہ جب اہل اللہ خدا تعالیٰ کے خاص بندے ہیں محب و عاشق ہیں تو انکو یہ تکالیف کیوں دیجاتی ہیں اور اہل اللہ کو تکلیف میں لذت کس طرح حاصل ہوتی ہے یہ تو کچھ کمال نہوا بلکہ بے حسی معلوم ہوتی ہے تو اس سائل سے میں پوچھتا ہوں کہ محبوبانِ دنیا جو اپنے عشاق سے ناز و انداز کرتے ہیں ان میں کیا حکمتیں ہیں اور عشاق کو ان میں لذت کیوں آتی

ہے محبوب کے چپت مارنے میں لذت کیوں ہے عاشق کو اس سے کیا نفع ہوا کچھ نہیں بس یہی کہا جاویگا کہ محبت کا خاصہ ہے کہ محبوب عشاق کو آزمایا بھی کرتے ہیں اُن سے ناز و انداز بھی کیا کرتے ہیں اور عشاق کو اس میں لذت بھی آتی ہے اگر اس کا نام بے حسی ہے تو ساری دنیا بے حس ہے کیونکہ محبت سے کوئی خالی نہیں خواہ کسی سے ہو غرض اہل اللہ کی راحت کا راز یہ ہے کہ انھوں نے اپنی تجویز کو فنا کر دیا ہے۔ بس ایسے لوگ دنیا میں بھی راحت سے ہیں جو اپنی تجاویز کو حق سبحانہ کے سامنے فنا کر چکے ہیں اسی ازالۂ غم کیلئے تو حق جل جلالہ نے ولنبلونکم الخ کے بعد انا للہ و انا الیہ راجعون کا مراقبہ تعلیم فرمایا ہے یعنی جب کوئی غم کی بات ہو تو کہو کہ ہم اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں یعنی وہ مالک ہے ایک مقدمہ تو یہ ہوا دوسرا مقدمہ مطوی ہے کیونکہ ایک مقدمہ منتج نہیں ہوتا گو آجکل کے بعض عقلا قائل ہوئے ہیں کہ ایک مقدمہ بھی منتج ہے اور مطوی ماننا تکلف ہے مگر صحیح یہی ہے کہ نتیجہ مقدمتین سے حاصل ہوتا ہے اور ایسے مقام پر کہ جہاں بظاہر ایک ہی مقدمہ منتج معلوم ہوتا ہے دوسرا مقدمہ مطوی ہوتا ہے یہاں یہ مانا جاویگا کہ وہ مالک ہونے کے سبب تصرف کا حق رکھتا ہے تو پھر ہمکو چون و چرا کا کیا حق ہے یہ عقلی مراقبہ تھا اور انا الیہ راجعون میں طبعی مراقبہ ہے اور اس میں دو مرتبے ہیں ایک عشاق کی نظر میں ہے وہ یہ کہ جب خدا ملگیا تو پھر غم کیسا اور ہمکو دوسری وجہ سے اس مراقبہ میں تسلی ہوئی یعنی یہ سمجھکر کہ وہاں لوٹ کر سب ملجاویں گے اُس عالم میں ہم اور یہ مفقود جس کے فُقدان کا رنج ہے باہم مجتمع ہوجاوینگے۔ سبحان اللہ قرآن کی بھی کیا شان ہے کہ اس سے ہر شخص کو اسکے درجہ کے موافق تسلی ہوتی ہے ایسے جامع الفاظ میں جنسے عوام بھی تسلی حاصل کریں اور خواص بھی ع تسلی داد ہر یک را برنگے

بس قرآن مجید کی شان یہ ہے ؎

بہارِ عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد بہ رنگ اصحاب صورت را بہ بو ارباب معنی را

چنانچہ اسی انا للہ و انا الیہ راجعون سے عشاق نے تو یوں سمجھا کہ عالم آخرت میں ہمکو اللہ تعالیٰ ملے گا بیوی نہ ہی نہ سہی اور عوام نے یہ سمجھا کہ وہاں یہ بیوی بھی ملجاوے گی اور اس کے سوا اور بھی بہت کچھ ملے گا اپنے مذاق اور مرتبہ کے موافق تسلی سب کی ہوگئی بس جب وہ عامہ مؤمنین کو بھی مغموم نہیں رکھتے بلکہ اگر کبھی انھیں کی مصلحت سے جو ان کو تکلیف پہونچائی جاتی ہے تو اسمیں تسلی کی تدابیر بتلاتے ہیں تو بھلا صحابہ رضؓ کو کیسے مغموم چھوڑ دیتے تمہید لمبی ہوگئی مگر کچھ حرج نہیں مفید مضامین آگئے ہیں اور وہ سب ذکر رسول صلعم ہی کے افراد ہیں گو اسوقت آپکا ذکر بواسطہ مقصود تھا مگر الحمد للہ بلا واسطہ بھی ہوگیا کیونکہ آیت میں خاص آپ کے معاملات صحابہ رضؓ کے ساتھ مذکور ہیں جنکا حاصل یہ ہے کہ اس واقعہ میں صحابہ رضؓ کی لغزش پر تنبیہ کر دینے کے بعد صحابہ رضؓ کا غم دور کر دینے کیلئے حضور صلعم کو ایک خاص ارشاد ہے عفو و استغفار للصحابہ رضؓ کا اور اس سے پہلے فبما رحمۃٍ من اللہ لنت لھم اسکی تمہید ہے

کیونکہ صحابہؓ کو اور تو کوئی غم نہ رہا تھا سب سے حق تعالیٰ نے تشفی کر دی تھی اب صرف ایک غم باقی رہگیا تھا کہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہیں اسلئے حق تعالیٰ آپ کو ارشاد فرماتے ہیں فاعف عنھم۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس مضمون کو کس طرح فرماتے ہیں یعنی فقط فاعف عنھم نہیں فرمایا بلکہ اُسکے پیشتر ایک تمہید بیان فرمائی جس سے آپکی جلالت رحمت اور جلالت نبوت کی خاص شان معلوم ہوتی ہے کیونکہ بدون اس تمہید کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طبعی انقباض زائل ہونا دشوار تھا اسلئے اول ارشاد فرمایا فبما رحمۃ کہ آپ اپنے لین و شان رحمت کو دیکھئے پھر اس کے ساتھ من اللہ بڑھایا کہ یہ رحمت حق تعالیٰ نے آپ کے اندر رکھی ہے جس سے معلوم ہوا کہ بہت بڑے درجہ کی رحمت ہے پھر مصلحت اس رحمت کی بیان فرمائی ہے کہ آپکو نرم اسواسطے بنایا کہ اگر آپ فظّ ہوتے یعنی ظاہر میں سخت کلام ہوتے غلیظ القلب یعنی اگر آپ دلکے بھی سخت ہوتے تو نتیجہ یہ ہوتا لانفضوا من حولک یعنی صحابہؓ آپکے پاس سے چلے جاتے ان ارشادات کے بعد کہ متضمن ہیں خاص مراقبات کو طبعی انقباض بھی نہیں رہ سکتا پس صحابہؓ کا ہر قسم کا غم دور کر دیا گیا اور یہ مقام ایک خاص مسئلہ میں مزلّ اقدام ہے مشائخ مبطلین کیواسطے (غلطی کا موقع) (جھوٹے) اُنھوں نے اس سے یہ سمجھا کہ اپنے ساتھ لوگوں کو لگائے لپٹائے رکھنا خود مطلوب شرعی ہے اور اسلئے آپکی شان لین کا اثبات بقصد امر اور فضاظت و غلظت کی نفی بقصد نہی مذکور ہوئی ہے تو اُنھوں نے مجمع کی دل جوئی کیلئے نرمی اور شفقت ہی کو لے لیا اور دار وگیر و درشتی کو بالکل چھوڑ دیا اور جو مصلح ایسا کرے اس پر ملامت و طعن کرتے ہیں لیکن مشائخ محققّین (سچے) اس غلطی میں نہیں پڑتے وہ کلام کی حقیقت کو سمجھ گئے اسی لئے وہ معتدل ہوتے ہیں کہ نرمی کی جگہ نرم اور سختی کی جگہ سخت کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ جہاں جنگ اُحد میں (ف) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ امر ہے وہاں جنگ اُحد کے بعد جس میں حضورؐ کو فاعف عنھم کا امر ہوا تھا تبوک میں جو اُحد سے بہت مؤخّر ہے یہ واقعہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام شہر کے مسلمانوں کو منع فرمایا کہ کعبؓ بن مالک اور ہلالؓ بن امیہ اور مرارہؓ بن الربیع سے نہ بولیں کیونکہ یہ حضراتؓ بدون کسی عذر قوی کے غزوۂ تبوک سے متخلّف (پیچھے) (جانے سے رکے) رہے تھے جس میں شرکت کا سب کو امر ہوا تھا پھر پچاس روز تک یہ حکم رہا اس عتاب سے ان حضرات کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ جسکو قرآن شریف میں بھی اس طرح بیان فرمایا گیا ہے وضاقت علیھم الارض بما رحبت یعنی اُنکو زمین تنگ نظر آتی تھی کوئی دوسرا شخص یہ حالت بیان کرتا تو غالباً مبالغہ پر محمول کیا جاتا مگر جب خود خدا تعالیٰ نے اُنکی یہ حالت بیان فرمائی ہے تو اندازہ کر لو کہ اُن حضراتؓ پر کیا گذری ہوگی اور خطا صرف یہ تھی کہ جنگ تبوک میں شریک نہ ہوئے تھے کچھ منافقین بھی پیچھے رہ گئے تھے مگر وہ تو بہانے کر کے بچ گئے اور ان تین حضراتؓ نے صاف صاف عرض کر دیا کہ حضرتؐ در اصل ہم کو کوئی عذر نہیں تھا تخلّف کا باعث محض سستی تھی اس پر اُنکا مقدمہ ملتوی کیا گیا تھا اور مسلمانوں کو ان سے کلام و سلام قطع کرنے کا حکم ہوا اسی زمانہ میں حضرت کعبؓ کے پاس ایک

ف: جو تقوی سے پیر مجمع رکھنے کو خلاف حق جانتے ہیں یہ غلط ہے

ف: حضورؐ نے احد میں نرمی کی اور تبوک میں سختی ۱۲

نصرانی بادشاہ کا خط آیا کہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ تمھارے آقا نے تمھارے ساتھ بہت بیقدری کا برتاؤ کیا تم یہاں چلے آؤ ہم تمھاری بہت عزت کرینگے غرض یہ کہ ابتلا پر ابتلا رہوا کس قدر سخت امتحان تھا ؎

ہم سر یا ہم جان یا ہم دین | امتحانے نیست ما را مثل این

مگر اُن کی ہمت کہ جواب تک نہیں دیا بلکہ اُس کو پڑھتے ہی ایک تنور میں جو قریب تھا فوراً جھونک دیا گویا بزبانِ حال قاصد سے یہ کہا کہ آنست جوابش کہ جوابش ندہم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خط کی اطلاع ہوئی مگر اس واقعہ پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رائے مبارک نہیں بدلی کیونکہ وہاں تو سب کام حکم سے تھا وہاں حکم کے سامنے کوئی پرواہ نہیں تھی کہ کوئی بگڑ جاویگا یا کوئی مخالف ہو جاویگا اُس دربار کی تو یہ شان ہے ؎

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو | دار و گیر و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست

وہاں احسان کس پر تھا کسی کو ہزار مرتبہ غرض ہو تو دربار میں ناک رگڑے آپؐ کو خدا کافی تھا آپ صحابہؓ کے محتاج نہ تھے اسلئے آپ نے اسکی کچھ پرواہ نہ کی کہ ان کو ایک دشمن بلا رہا ہے لاؤ میں اُن کے ساتھ کچھ نرمی کردوں ہرگز نہیں جب پورے پچاس دن ہو چکے تب آیت نازل ہوئی اور حضرت کعبؓ بن مالک کہتے ہیں کہ جیسا حدیث میں آیا ہے کہ بڑا غم یہ تھا کہ خدانخواستہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں اس عالم سے تشریف لیگئے تو بعد میں میرا کیا حال ہوگا کیونکہ جانتے تھے کہ آپ کے جان نثار صحابہؓ حکم کے خلاف ہرگز نہ کرینگے تو بس ساری عمر کو مسلمانوں سے بول چال بند رہے گی اور اب تو تبدیل حکم کی امید بھی ہے کہ وحی آجاوے پھر تو یہ احتمال بھی منقطع ہو جاویگا اور اگر میرا انتقال اسی حال میں ہوگیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں گے نیز اُن کے لئے زیادتی غم کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ وہ دونوں ساتھی تو بوڑھے تھے وہ تو گھر میں بیٹھ رہے جس سے ایک قسم کی یکسوئی ہوگئی اور یہ مسجد نبوی میں نماز کیلئے حاضر ہوتے تھے اور جب حضورؐ انکو دیکھ کر نظر پھیر لیتے تھے تو اُن پر کیا کچھ گذرتی ہوگی مگر یہ کَن انکھیوں سے دیکھتے رہتے تھے کہ حضورؐ مجکو دیکھتے بھی ہیں یا نہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نماز پڑھا کرتا جب میں نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ مجکو دیکھا کرتے اور جب میں آپ کو دیکھتا تو آپ نظر ہٹا لیتے تو اصول عشق سے عجب نہیں کہ جب یہ دیکھتے کہ حضورؐ انکی طرف دیکھ رہے ہیں تو یہ آپ کی طرف دیکھنا موقوف کر دیتے ہوں کیونکہ اگر یہ بھی دیکھتے رہتے تو حضورؐ عادت کے موافق اپنی طرف نظر ہٹا لیتے اور یہ بھی ایک محبوبانہ انداز تھا ؎

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست | بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

اور حضرت کعبؓ اصول عشق سے اپنے دیکھنے سے زیادہ حضورؐ کے دیکھنے کو لذیذ سمجھتے ہوں گے اسلئے خود نہ دیکھتے ہونگے جس کو محبت کا چسکا لگا ہے اسکے مزہ کو وہی جانتا ہے ؎ ذوق ایں مے نشناسی بخدا تا نچشی

الحمد للہ تھوڑی سی حس ہمکو بھی نصیب ہے اور یہ لذت کہ محبوب ان کو دیکھے گو یہ محبوب کو نہ دیکھیں کچھ عشاق کی گھڑت نہیں بلکہ اسکی اصل قرآن شریف میں موجود ہے حضورؐ کو ارشاد ہے واصبر لحکم ربك فانك باعیننا کہ آپ اس لذت میں مشغول رہیئے کہ میں خدا کے سامنے ہوں وہ مجکو دیکھ رہے ہیں حق تعالیٰ نے حضورؐ کو یہ مراقبہ بتلایا ہے کفار کی ایذاؤں پر صبر کے واسطے کہ اس سے آپ کا رنج کافور ہو جائیگا۔ صاحبو! صحیح مذاق قرآن شریف میں سب موجود ہیں البتہ من گھڑت باتیں اس میں نہ ملیں گی غرض کبھی اپنے محبوب کو دیکھنے میں لذت ہوتی ہے اور کبھی محبوب کے ان کو دیکھنے اور خود اُدھر نگاہ نہ کرنے میں لذت ہوتی ہے تاکہ وہ دیکھتا رہے یہی حالت حضرت کعبؓ کی تھی اور اس سے معلوم ہوا کہ گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بظاہر ناراض تھے مگر دل سے ناراض نہ تھے بلکہ دل سے انکی طرف توجہ تھی اسی توجہ نے تو ان کو سنبھالا حضرت کعبؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کو سلام کر کے کن انکھیوں سے یہ بھی دیکھتا تھا کہ حضور نے جواب کیلئے لبہائے مبارک کو حرکت دی یا نہیں اب بتلائیے کیا یہ واقعات سیاست کے سنت رسولؐ نہیں کیا ایسا برتاؤ کرنا آج جائز نہیں یقیناً جائز ہے پس محققین پر اعتراض کیوں کیا جاتا ہے اگر وہ اس کے موافق عمل کریں۔ آج کل لوگ کہتے ہیں کہ فلاں شخص سخت ہے حالانکہ وہ سخت نہیں اور اگر یہ سختی ہے تو میں کہونگا ارے رسولؐ نے بھی تو ایسی سختی کی ہے بلکہ آخر فعل وہی ہے یاد رکھو حضورؐ کا جہاں یہ کمال ہے کہ لین اور نرم مزاج تھے وہاں یہ بھی کمال تھا کہ آپ سختی کے موقع پر سخت بھی تھے کیا یہ بھی کوئی تعریف ہے کہ ڈاکٹر فقط مرہم رکھے اور کسی شخص کے باوجود ضرورت کے نشگاف نہ دے ہرگز نہیں اگر کوئی ڈاکٹر ہمیشہ ایسا کرے گا تو اسکے مریض ہلاک ہوں گے بلکہ ضرورت اسکی ہے کہ مرہم کے موقع پر مرہم رکھو اور نشگاف کے موقع پر نشگاف دو تو جس طرح نشگاف اور مرہم دونوں کی ضرورت ہے اسی طرح اصلاح میں نرمی اور سختی دونوں درکار ہیں اسی بناء پر یہاں واقعہ تبوک میں اصلاح کے لئے سختی کی گئی اور وہاں واقعہ اُحد میں اصلاح کے بعد فاعف عنھم فرمایا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ لوکنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولك میں مبطلین کو غلطی ہوگئی کہ انھوں نے مطلقاً نرمی کو ضروری سمجھا تاکہ مجمع جما رہے حالانکہ نرمی مطلقاً مطلوب نہیں ہے جیسا کہ بیان کیا گیا اور جو مطلوب بھی ہے وہ نرمی نہیں جو ان لوگوں نے اختیار کی ہے اصل یہ ہے کہ نرمی کی دو قسمیں ہیں ایک نرمی تو وہ جو لوگوں کی دینی مصلحت سے ہو اور ایک نرمی وہ جو اپنی دنیوی مصلحت سے ہو تاکہ لوگ زیادہ معتقد ہوں یعنی جاہ زیادہ ہو آمدنی زیادہ ہو تو یہ لوگ معتقدوں کا مجمع بڑھانے اور زیادہ آمدنی کے ہونے کیوجہ سے نرمی بلکہ بعض مرتبہ خوشامد تک اختیار کرتے ہیں اور نیت ملفوظی کے طور پر وجہ یہ گھڑتے ہیں کہ اُن کو ہدایت ہوگی اگر ہم سختی کریں گے تو وہ ہدایت سے محروم ہو جاوینگے ذرا یہ پیر صاحب غور تو کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عالم سے تشریف لیجانے پر

ف: مذاق عشق کا ثبوت قرآن سے مراقبہ ہے

ف: مطلقاً نرمی مطلوب نہیں نرمی کی قسمیں

تو ہدایت بند نہ ہوئی آپ سے تعلق موقوف ہونے پر بند ہو جاویگی اور گو حضورؐ کے نائبین اور خدام جو دین کی خدمت کر رہے ہیں اُس سے درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فیض باقی ہے کیونکہ ان حضرات میں بھی حضورؐ کا فیض ہے جس سے مخلوق کو ہدایت ہو رہی ہے اور اب حضورؐ سے فیض لینے کی یہی صورت ہے کہ آپ کے نائبین سے فیض حاصل کیا جائے جیسا کہ مولانا فرماتے ہیں ؎

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب   بوئے گل را از کہ جوئیم جز گلاب

چونکہ شد خورشید و مارا کرد داغ   چارہ نبود در مقامش از چراغ

مگر ظاہر میں تو حضورؐ اس عالم سے تشریف لے ہی گئے اور پھر بھی ہدایت کا سلسلہ جاری ہے تو اے پیر کیا تیرے بغیر ہدایت گُم ہو جاویگی ہرگز نہیں بس بیٹھ اپنا کام کر بس تیرا یہ کہنا کہ نرمی میں ہماری یہ نیت ہے کہ مخلوق کو ہدایت ہو محض لفظی نیت ہے قلبی نیت نہیں ہے۔ نیت ملفوظی پر مجھے اپنا ایک واقعہ یاد آ گیا کہ ایک جگہ میں سفر میں تھا لوگوں نے مجھ سے نماز پڑھانے کی درخواست کی میں نے عذر کیا کہ میں مسافر ہوں نماز میں قصر کرونگا اور عوام قصر کی وجہ سے گڑبڑ میں پڑ جاتے ہیں اسلئے کوئی مقیم امام نماز پڑھادے تو بہتر ہے تو ایک صاحب نے اُس وقت مجھے نیت اقامت کا مشورہ دیا کہ اقامت کی نیت کر لیجئے اور چار رکعت پڑھا دیجئے۔ میں نے کہا سبحان اللہ بھلا اس حالت میں کہ میں سواری کیلئے آدمی بھیج چکا اور ٹکٹ کے لئے دوسرا آدمی بھیج چکا ہوں اقامت کی نیت کس طرح کر سکتا ہوں اور اگر کرونگا بھی تو وہ محض الفاظ ہی الفاظ ہوں گے نیت کدھر سے ہو جائیگی بس ایسی ہی ہدایت کی نیت شیخ مبطل کی ہے کہ اس کے نزدیک اصل چیز تو مال یا جاہ ہے مانعۃ الخلو کے طور پر یعنی کہیں مال و جاہ دونوں مقصود ہوتے ہیں کہیں ایک مگر زبان سے نیت ہدایت اور اتباع سنت اور خوش خلقی کا دعویٰ ہے۔ شیخ جی صاحب اول تو دنیا میں سارے بیوقوف نہیں بستے سب دھوکہ میں نہیں آ سکتے۔ دوسرے تم کو تو اپنی حالت بخوبی معلوم ہے اگر تمام مخلوق دھوکہ میں آ گئی تاہم خدا سے تو مخفی نہیں اس کے سامنے کیا جواب دو گے کیا وہاں بھی یہ تصنیفی وجہ چل سکتی ہے ہرگز نہیں رہی نرمی کی دوسری وجہ جو شرعاً مطلوب ہے یعنی لوگوں کی دینی مصلحت سے نرمی اختیار کرنا وہ وجہ ہر موقع کیلئے عام نہیں ہو سکتی کیونکہ جہاں اصلاح کیواسطے سختی کی ضرورت ہے وہاں نرمی کرنے میں دوسروں کی کیا مصلحت ہے اب میں ان مشائخ مبطلین کی غلطی کا منشا بتلاتا ہوں کہ اس آیت سے انھوں نے ہر حال میں نرمی کی ضرورت کس طرح سمجھی بات یہ ہے کہ ترجمہ آیت سے یہ لوگ یوں سمجھے کہ مقصود بالکلام انفضاض (چلدینے) کا انسداد (روکنا) ہے اور اس کے لئے لین (نرمی) کی ترغیب اور فظاظت (سختی) و غلظت سے تحذیر (ڈرانا) کیگئی ہے اسلئے یہ نتیجہ نکال لیا کہ ہر حال میں نرمی کرنا چاہیئے تاکہ لوگ مجتمع

ف نائبین رسول میں حضورؐ ہی کا فیض ہے

رہیں حالانکہ یہ سب بناء الفاسد علی الفاسد (غلطی در غلطی) ہے آیت کا یہ مدلول ہی نہیں کہ اجتماع خلق مقصود ہے اور اسکے لئے حضور کو نرمی کا حکم ہے اگر یہ مطلب ہوتا اور اجتماع خلق مقصود ہوتا تو ابن ام مکتوم رض کے واقعہ میں حضور ص پر عتاب کیوں ہوتا حالانکہ اسوقت حضور ص سرداران قریش کو دعوت اسلام دے رہے تھے جنکے مسلمان ہوجانے سے مجمع کی زیادت وقوت کی توقع تھی اسی وقت ابن ام مکتوم رض نابینا صحابی آگئے اور کچھ دریافت کیا حضور ص کو کسی قدر ان کا سوال گراں ہوا اس پر سورہ عبس نازل ہوئی جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مجمع کا بڑھانا اور اس کا اہتمام کرنا مطلوب نہیں بلکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ رض سے عفو اور اُن کے لئے استغفار کا اور ان کی دلجوئی کا حکم فرماتے ہیں پس اصل مقصود تو فاعف عنھم واستغفر لھم وشاورھم ہے اور فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم اس کی تمہید ہے خود مسوق لہ الکلام اور مقصود نہیں جس سے لین کی ترغیب پر استدلال کیا جاسکے پس معنے یہ ہوئے کہ آپ ہمیشہ سے اُن کی مصلحت (اصل) افاضہ (فیض پہونچانا) کے لئے اُن کے ساتھ نرمی فرماتے رہے جسکی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ فظاظت اور غلظت کے لوازم میں سے انفضاض ہے اور یہاں انفضاض نہیں ہوا معلوم ہوا کہ آپ فظ اور غلیظ القلب نہیں پس اس سے تاکید ہوئی آپ کی لین کی پس آپ ہمیشہ سے اُن کے ساتھ نرم رہے ان کو یہی عادت ہوگئی اب بھی اس عادت کے موافق برتاؤ کیجئے اور معاف کردیجئے تو یہاں تمہید الین کی خبر ہے لین کا امر مقصود نہیں گو ضمناً وہ بھی مفہوم ہوتا ہے یہ ہے آیت کا مطلب مگر اہل غرض کو فہم کہاں اور انکو ضرورت بھی کیا ہے غور وفہم کی ؎

چون غرض آمد ہنر پوشیدہ شد صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد

ان لوگوں نے نہ معلوم کس طرح آیت سے یہ مطلب نکال لیا کہ اجتماع کے لئے نرمی برتنا چاہیئے اور اجتماع اور اُس کا اہتمام مطلوب ہے دوسرے اگر بالفرض آیت کا وہی مطلب مان لیا جاوے جو یہ لوگ سمجھتے ہیں تو ایک بڑا فرق حضور ص اور ان شیخ صاحب میں یہ ہے کہ حضور ص سے وابستہ ہونے میں تو ہدایت منحصر تھی کیونکہ آپ کی شان یہ تھی ہدایت کے باب میں کہ ؎

عزیزیکہ از درگہش سر بتافت بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

وجہ یہ کہ نبی ص سے منقطع ہونے میں نجات کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اب یہ شیخ صاحب تلائیں کہ کیا ان کے ساتھ وابستہ ہونے میں بھی ہدایت خلق منحصر ہے اگر ہے تو اسکی دلیل بیان کریں اور اگر نہیں تو پھر وہ کس لئے یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نرمی نہ کریں تو مخلوق ہدایت سے محروم ہوجائیگی آخر کیوں محروم ہوجائیگی کیا آپ کے سوا اور کوئی ہادی نہیں پس اس فرق کیوجہ سے بھی اُن کا استدلال آیت سے تام نہیں کیونکہ حضور ص کے ساتھ مخلوق کے وابستہ ہونے کی ضرورت تھی جو یہاں نہیں اس پر ایک لطیفہ یاد آیا کہ عمرا خان جو ایک سرحدی نواب تھے جب حج کو

گئے تو بمبئی میں گورنر کو مزاج پرسی کا حکم دیا گیا گورنر آیا اور مزاج پرسی وغیرہ کرکے چلا گیا اور خانصاحب اُسکی تعظیم کو اُٹھے تک نہیں سہارنپور کے ایک رئیس بھی ہمراہ تھے اور انھیں سے یہ حکایت منقول ہے انھوں نے کہا مہمان کا اکرام تو مسنون ہے گو کافر ہی مہمان کیوں نہ ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر مہمانوں کا بھی اکرام فرمایا ہے تو آپ نے اس کی مدارات کیوں نہ کی۔ عمرا خان نے جواب دیا کہ سنو جی حضورؐ نے کافر مہمانوں کا اکرام کیا ہے تو آپ کو پیغمبری کرنا تھی اور مجکو پیغمبری کرنا تھوڑا ہی ہے جو میں کافروں کا اکرام کروں یہ کلام عنوان کے اعتبار سے تو پٹھانوں جیسا ہے کہ اس کے الفاظ کیسے بیڈھب ہیں مگر مضمون شیخوں جیسا ہے یعنی محققانہ مطلب یہ تھا کہ حضورؐ سے بد دلی ہونے میں تو مخلوق کا ضرر تھا کہ وہ ہدایت سے محروم رہ جاتے اس لئے آپ اکرام کرتے تھے اور مجھ سے بد دل ہو کر کسی کا کیا بگڑے گا اور اگر اس کے دل میں اس کے سوا اور کچھ مطلب تھا تو میں اُس کا ذمہ دار نہیں مگر ہم تو شاہی کلام کے اچھے ہی معنے لیں گے بالخصوص جبکہ ایک مسلمان بادشاہ کا ہو اب میں عود کرتا ہوں اصل مضمون کیطرف حضورؐ کو صحابہؓ کے متعلق یہ امر کیا گیا ہے کہ اُن کو آپ کے فیوض کی حاجت ہے جس کیلئے آپؐ کے انشراح کی ضرورت ہے اسلئے آپؐ اُنکی خطا معاف کر دیجئے اور اس لغزش کیوجہ سے جو درمیان میں انقباض اور عدم انشراح کا برتاؤ ہوا ہے اُسکو موقوف کر دیجئے۔ سبحان اللہ اس آیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان کس درجہ ظاہر ہوتی ہے حالانکہ صحابہؓ کا قصور خدا تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے اور جب خدا تعالیٰ نے معاف کر دیا تھا تو کیا اُسکے بعد حضورؐ معاف نہ فرماتے ضرور معاف فرماتے مگر پھر بھی حضورؐ کو ارشاد ہوتا ہے کہ آپؐ بھی ان کو معاف فرما دیں مطلب اس کا یہ ہے کہ آپ ان کو اپنے معاف کر دینے کی بھی اطلاع کر دیجئے تاکہ ان کی پوری تسلی ہو جائے یہ مطلب نہیں کہ حق تعالیٰ کی معافی کے بعد بھی حضورؐ کے معاف نکرنے کا احتمال تھا ہرگز نہیں کیونکہ حضورؐ تو رضائے حق کے تابع تھے جب آپؐ کو یہ معلوم ہو گیا کہ حق تعالیٰ اُن سے راضی ہو گئے تو آپؐ کیونکر ناراض رہتے جس سے محبوب راضی ہو جاوے اس سے محب کس طرح ناراض رہ سکتا ہے کسی طرح نہیں اور حضورؐ کی تو شان بڑی ہے عام اولیاء رضائے حق میں فنا ہوتے ہیں جدھر حق تعالیٰ کی مرضی دیکھتے ہیں ادھر ہی ہو جاتے ہیں حتی کہ حوادث دنیویہ میں بھی چنانچہ ایک بزرگ تھے شاہ دولا اُن کے گاؤں میں سیلاب چڑھ آیا تو گاؤں والوں نے آپ سے دعا کے واسطے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ دریا پر چلو اور پھاوڑے ساتھ لے چلو لوگوں نے ایسا ہی کیا دریا پر پہونچکر آپ نے گاؤں کی طرف پانی کا راستہ کھدوانا شروع کیا لوگوں نے امر کی وجہ سے مجبوراً کھودا اور عرض کیا کہ حضرت اس طرح تو سیلاب گاؤں کی طرف جلدی آجاویگا آپ نے جواب دیا جدھر مولا اُدھر شاہ دولا مگر اگلے دن دیکھا تو دریا کو گاؤں سے ہٹا ہوا پایا لوگ بہت خوش ہوئے اور اس کا سبب دریافت کیا کہ ہم نے راستہ کھودا تو تھا گاؤں کی طرف کو اور پانی ہٹ

گیا دوسری طرف کو اس کی کیا وجہ ہے فرمایا کہ اس دریا کو یہاں تک آکر واپس جانا تھا تم خواہ مخواہ گھبرانے لگے میں نے کہا لاؤ جلدی ہی یہاں تک پہونچا دیا جائے تو جلدی ہی واپس چلا جاویگا اسواسطے گاؤں کیطرف کو راستہ کھدوایا تھا واقعی ؎

در نیابد حال پختہ ہیچ خام　　　پس سخن کوتاہ باید والسّلام

جب بزرگوں کا یہ حال ہے جو حضورؐ کے غلامانِ غلام ہیں تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کیسے ہو سکتے ہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو متابعت حق میں اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ خدا تعالیٰ خود آپ کی خواہش پوری کرنے لگے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ما اریٰ ربک الا یسارع فی ھواک واقعی اتباع کامل سے غلام کی یہی شان ہو جاتی ہے کہ آقا خود اسکی رعایت کرنے لگتا ہے کسی نے خوب کہا ہے۔ ؎

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں　　　میدہد یزداں مراد متقیں

(از مرتب: ؎ خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے　؛　خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟ (اقبال))

اس جگہ ایک نکتہ اہل علم کے لئے بیان کرتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کیواسطے یوں دعا فرمائی اللھم ادر الحق معہ حیث دار یعنی اے اللہ علی جدہر ہوں حق کو اُدھر ہی کر دیجئے یہ نہیں فرمایا کہ حق کی طرف ان کو کر دے اس میں اسی مقام مرادیت کی طرف اشارہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر ان سے کبھی اجتہاد کی غلطی بھی ہو جاوے تو آپ اسباب ایسے پیدا کر دیجئے کہ انکی بنا پر حق علیؓ کی طرف ہو جاوے یہ مطلب نہیں ہے کہ ناحق کو حق بنا دیا جائے نہیں بلکہ صورت ایسی پیدا ہو جائے کہ جو حضرت علیؓ کریں یا کہیں وہی حق ہو جائے مثلاً مدعی نے غلط دعویٰ کیا اور حضرت علیؓ نے اجتہادی خطا سے اسکو غالب کر دیا یہ ظاہر میں خلاف حق ہوا مگر پھر مقدمہ میں مظلوم نے زیادتی شروع کر دی جس سے ظالم مظلوم ہو گیا تو حق علیؓ کی طرف ہو گیا خوب سمجھ لو یہ احادیث کے لطائف ہیں جو صوفیہ کے علوم سے حاصل ہوتے ہیں مگر جہلا صوفیہ کے لطائف معتبر نہیں جاہل صوفی تو بالکل ڈوب گئے اور ظاہری مولوی بالکل کورے رہ گئے مگر اتنا غنیمت ہے کہ کور نہیں ہیں بہر حال جب یہ برکت ہے اتباع نبوی کی کہ اسکی بدولت آدمی رضائے حق کیطرف خود بخود ہو جاتا ہے تو پھر بھلا حضورؐ تابع رضا کیوں نہ ہوتے یعنی خدا نے جب عفا اللہ عنھم فرمایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کی خطا کیوں معاف نہ فرماتے بس فقط تطییب قلب (دل خوش کرنا) کے لئے صحابہؓ کو اس کی اطلاع کی ضرورت تھی کہ آپ نے بھی معاف کر دیا کیونکہ صحابہؓ نے اس طبعی رنج کے ازالہ کا طریقہ یہی تھا کہ حضورؐ بھی زبان مبارک سے معاف فرما دیں لقد عفوت عنکم کیونکہ عاشق کے بدون اسکے تسلی نہیں ہوتی اسلئے چاہئے کہ اگر کوئی شخص کسی سے معافی مانگے تو اُسکی خاطر سے اتنا کہدے کہ میں نے معاف کر دیا گو واقع میں اسکی خطا بھی نہ ہو بعض لوگ ایسے خشک ہوتے ہیں کہ بار بار یوں ہی کہتے رہتے ہیں کہ تم نے کیا ہی کیا ہے

ف: احادیث کے لطائف صوفیہ کے علوم سے حاصل ہوتے ہیں۔ ف: جاہل صوفی اور ظاہری مولوی دونوں بیکار ہیں۔

کس بات کو معاف کروں اور معاف کر دینے کا لفظ زبان پر نہیں لاتے حالانکہ دوسرے کی تسلی کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ صاف الفاظ سے معاف کر دے تاکہ اس کی کھٹک نکل جاوے اگر معاف کر دینے میں زیادہ ہی شرم آوے کہ اس میں مخاطب کو قصور وار ٹھہرانا ہے تو یوں کہدو کہ گو تم نے کچھ کیا نہیں مگر تمھارے کہنے سے کہے دیتا ہوں کہ معاف کیا اور میرے مذاق پر لیغفر لک اللہ میں بھی یہی نکتہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کو قصور وار سمجھتے تھے اسلئے حق تعالیٰ نے فرما دیا کہ اگر آپ اپنے کو قصور وار ہی سمجھتے ہیں تو ہم نے سب قصور معاف کر دیا اس سے مقصود محض حضورؐ کی تسلی کرنا ہے اس آیت کی توجیہیں اور بھی ہیں مگر میں تو اپنی ہی چھاچھ کو میٹھی کہتا ہوں پس فاعف عنھم کی حکمت معلوم ہوگئی کہ صحابہؓ کی تسلی تھی اُس کے بعد فرماتے ہیں واستغفر لھم کہ آپ ان کے واسطے استغفار کیجئے اس میں اوّل تو حضورؐ کی جلالت شان کا اظہار ہے کہ مسلمانوں کو متنبہ کر دیا گیا کہ تمھاری معافی کی تکمیل حضورؐ کے استغفار کے بعد ہوگی دوسرے صحابہؓ کی تطییبِ قلب ہے کیونکہ وہ اکثر خطاؤں کے لئے حضورؐ سے استغفار کی درخواست کیا کرتے تھے اور اس واقعہ میں خطا ایسی ہوئی تھی جس سے حضورؐ ہی کو ملال پہونچا اسلئے اس واقعہ میں وہ خود استغفار کی استدعا کرتے ہوئے شرماتے مگر طبعاً ان کو یہ ضرور خیال ہوتا کہ اگر حضورؐ نے ہمارے لئے استغفار نہ کیا تو اس درجہ کی معافی نہ ہوگی جو حضورؐ کے استغفار کے بعد ہوتی کیونکہ قاعدہ ہے کہ کریم کے بیٹے کی سفارش پر کچھ زائد ہی ملجاتا ہے اور حق تعالیٰ تو اولاد سے پاک ہیں مگر حضورؐ سے حق تعالیٰ کو ایسی محبت ہے کہ کسی باپ کو اولاد سے بھی نہ ہوسکتی اسلئے آپ کی سفارش کے بعد مغفرت کاملہ کی یقینی امید ہے واقعہ یہ ہے کہ قرآن میں اُس کے حروف سے بھی زیادہ علوم ہیں اور یہ بات بالکل بلامبالغہ ہے مگر اُن علوم کے سمجھنے کیلئے ضرورت ہے توفیق خداوندی کی جسکا ایک شعبہ علم عربیت بھی ہے تو یہ علوم محض توفیق سے عطا ہوتے ہیں۔ تیسرا نکتہ واستغفر لھم میں یہ ہے کہ حضورؐ کی معافی سے صحابہؓ کو یہ تو معلوم ہوگیا کہ آپ نے خطا معاف کر دی مگر اس سے وہ اجنبیت کیسے دور ہوگئی جو خطا سے پیدا ہوگئی تھی اس کے لئے تو خصوصیت کی ضرورت ہے ورنہ معافی کی تو ایک یہ بھی صورت ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دیکر کہدے کہ ہم نے سب خطائیں معاف کیں کیا اس معافی سے تعلقات شگفتہ ہوگئے ہرگز نہیں تو حق تعالیٰ نے واعف عنھم کے بعد واستغفر لھم بڑھا کر یہ بتلایا ہے کہ صرف عفو خطا کافی نہیں بلکہ اس کی بھی ضرورت ہے کہ آپؐ صحابہؓ سے خصوصیت کا برتاؤ کریں کہ پہلے کی طرح اس واقعہ میں بھی ہم سے اُن کی مغفرت کی درخواست کریں۔ ونیز ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ اوپر جیسا دوسرے نکتہ میں بیان ہوا ہے کہ اس واقعہ میں صحابہؓ یہ خود کیسے کہتے کہ ہمارے واسطے استغفار کر دیجئے وہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ حضورؐ ہی خود ہم سے خفا ہیں۔ پس جب وہ یہ عرض نہ کر سکے تو خدا نے اُن کا کام کر دیا حاصل اس نکتہ کا صحابہؓ کی شان تفویض کا اور اس کی برکات کا اظہار ہے جیسا کہ بچہ کے سب کام کر دیئے جاتے ہیں کیونکہ وہ

ف لیغفر لک اللہ کا نکتہ عجیب ہے

ف علم عربیت بھی توفیق خداوندی ہے۔ ف قرآن میں اس کے حروف سے زیادہ علوم ہیں۔

خود نہیں کر سکتا۔ ؎ طفل تا گیرا و تا پویا نبود مرکبش جز گردنِ بابا نبود

یعنی چونکہ بچہ ہاتھ پاؤں سے کچھ کام نہیں کر سکتا اسلئے حق تعالیٰ خود اس کے سارے کام بنا دیتے ہیں اور جب خود کرنے لگے اُسی کا بوجھ اُسی پر ڈال دیتے ہیں بس جس نے یہ نکتہ سمجھا وہ مفلوج ہو گیا مگر تم خود اپنی رائے سے مفلوج نہ بنا بلکہ کسی محقق شیخ کی اجازت سے ایسا کرنا چاہئے اور حضرات صحابہؓ پر اپنے کو قیاس نہ کرنا چاہئے کیونکہ صحابہؓ حدود کو جانتے تھے اس لئے اُن کی خاموشی بدون صریح اجازت کے بھی محمود تھی بہرحال و استغفر لہم میں خصوصیت کے برتاؤ کا امر ہے اور انھیں خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ وشاورھم فی الامر کہ بعض معاملات میں جو محل ہیں مشورہ کے اُن سے مشورہ کیا کیجئے یہاں الامر میں لام عہد کا ہے اس کی توضیح کے لئے ایک مسئلہ بتلاتا ہوں وہ یہ کہ مشورہ ہر کام میں نہیں ہوا کرتا چنانچہ جو کام خیر محض ہو کہ اس میں کسی ضرر کا احتمال ہی نہ ہو اُس میں مشورہ کی کوئی ضرورت نہیں مثل مشہور ہے۔ ع درکارِ خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست۔

میں نے اس میں ایک تصرف کر کے اس مصرعہ کو اس طرح بنایا ہے ع درکارِ خیر حاجت ہیچ استشارہ نیست۔ اور دونوں کا ایک ہی حکم ہے کہ اگر شر کا احتمال نہ ہو تو استشارہ اور استخارہ دونوں مسنون ہیں ورنہ نہیں چنانچہ بعض احادیث سے ایسے امر خیر میں بھی استخارہ کا ثبوت معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حضرت زینبؓ سے جب حضورؐ نے نکاح کا پیغام دیا تو انھوں نے کہا حتی استخیر فیہ ربی کہ میں اللہ تعالیٰ سے اول استخارہ کر لوں اب یہاں سے حضرت ام المومنین زینبؓ کا فہم معلوم ہوتا ہے کہ جب حضورؐ نے ان کے پاس پیغام نکاح بھیجا تو جواب دیا کہ استخارہ کر کے عرض کر دوں گی یہاں بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ حضورؐ کی خدمت میں اور آپؐ کے نکاح میں شر کا احتمال کہاں تھا جو استخارہ کی حاجت ہوئی اس نعمت عظمیٰ کو فوراً قبول کر لینا چاہئے تھا اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ بیشک حضورؐ کی خدمت تو خیر محض تھی مگر ہر شخص کو اس کا اہل نہیں ہوتا بعض دفعہ خادم نا اہل ہوتا ہے جس کی خدمت سے مخدوم کو راحت نہیں ہوتی اور بعض دفعہ خادم اہل ہوتا ہے لیکن مخدوم کا مزاج بہت لطیف ہوتا ہے جس کی رعایت اس سے پوری طرح نہیں ہو سکتی جیسے حضرت مرزا صاحبؒ کو شاہ غلام علی صاحب پنکھا جھلا کرتے تھے تو پنکھا ہلکا ہونے پر فرماتے کیا تمھارے ہاتھوں میں جان نہیں رہی اور اگر زور سے جھلتے تو فرماتے کیا مجکو اڑاؤ گے۔ اسی طرح ایک مرتبہ کہیں سے لوز آئے مرزا صاحب نے پکارا غلام علی وہ حاضر ہوئے تو فرمایا لوز لو۔ انھوں نے ہاتھ پھیلایا کہا گنوار کہیں کا لوز ہاتھ میں لیا کرتے ہیں کوئی کاغذ یا پتہ وغیرہ لاؤ وہ کچھ لائے اور اس میں لوز لئے اگلے روز دریافت کیا کہ کچھ لوز باقی ہیں شاہ صاحب نے فرمایا حضور وہ تو کل ہی کھائے تھے تو فرمایا تم کیسے آدمی ہو کہ ایک دن میں اتنا کھا گئے۔ میاں مٹھائی تو کھانے کے بعد ذرا سی کھا لیا کرتے ہیں غرض مخدوم میں جتنی حس زیادہ ہوتی ہے اتنی ہی اسکو بات بات پر تکلیف ہوتی ہے اور اسی لئے تو حضورؐ نے فرمایا کہ

ف حضرت زینبؓ کے قول کا مطلب

مجھ سے زیادہ کسی نبی کو ایذا نہیں دی گئی حالانکہ نوح علیہ السّلام کو جس قدر تکالیف دی گئیں ظاہر ہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کو اس قدر تکلیف نہیں پہونچی لیکن چونکہ حضورؐ حس اور لطافت سب سے زیادہ رکھتے تھے اسلئے واقعات سے آپ پر زیادہ اثر ہوتا تھا پس اب سمجھو کہ آنحضرتؐ کی خدمت گو خیر محض تھی مگر آپ کی لطافت طبع کی وجہ سے کسی خدمت کے خلاف مزاج ہونے سے آپکی تکلیف کا احتمال تھا۔ حضرت زینبؓ اس نکتہ کو پہونچ گئیں اسلئے انھوں نے استخارہ کیا۔ غرض مشورہ کی ہر جگہ ضرورت نہیں اسلئے لام عہد سے فرمایا وشاورھم فی الامر ای فی بعض الامر المعلوم لک۔ اور جہاں لام استغراق کا نہ ہو وہاں عہد ہی کا ہوتا ہے ائمہ فن نے اسکی تصریح کی ہے بلکہ محققین کا قول یہ ہے کہ لام میں اصل عہد ہی ہے جہاں عہد نہ بن سکے وہاں دوسرے معانی پر محمول کیا جاتا ہے اور یہاں کوئی شخص یہ سوال نہیں کر سکتا کہ حضورؐ کو مشورہ کی حاجت تھی یا نہ تھی کیونکہ یہ امر تو صحابہؓ کی تطییب کیلئے ہے باقی اصل مشورہ کی ضرورت سے سکوت ہے اور اس میں روایتیں مختلف ہیں میں ان میں تطبیق دیتا ہوں ایک روایت میں تو یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ مجکو مشورہ کی ضرورت نہیں مگر امت پر رحمت کے لئے کہ تطییب قلب بھی اُس میں داخل ہے کر لیتا ہوں (اخرجہ ابن عدی والبیھقی فی الشعب بسند حسن عن ابن عباس لما نزلت وشاورھم فی الامر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما ان اللہ ورسولہ لغنیان ولکن جعلھا اللہ تعالیٰ رحمۃ لامتی کذا فی روح المعانی) اس کا مقتضا تو یہ ہے کہ آپ کو حاجت مشورہ کی نہ تھی اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے مشورہ کے خلاف کوئی کام نہ کرتے تھے (اخرجہ الامام احمد عن عبد الرحمٰن بن غنم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لابی بکر وعمر لو اجتمعتما فی مشورۃ ماخالفتکما کذا فی روح المعانی ایضاً مراد انتظام وبعث عساکر وغیرہ کا کام) اس کا مقتضا یہ ہے کہ آپؐ کو مشورہ کی ضرورت ہوتی تھی دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ آپؐ کو غالب اوقات میں تو مشورہ کی حاجت نہ ہوتی تھی کبھی کبھی اتفاقاً ضرورت پڑ جاتی تھی اور یہ بات شان نبوت کے خلاف نہیں بلکہ مناسب شان ہے۔ میں نے اس میں ایک نکتہ نکالا ہے کہ حضورؐ کو مشورہ کی حاجت ہونے میں ولو فی بعض الاحوال حکمت ہے کیونکہ حاجت منافی الوہیت ہے اس میں آپ کی شان شریف کا اظہار تھا کہ آپ نبی ہیں الٰہ نہیں اور بعض علماء نے آپؐ کے مشورہ کی حکمت تعلیم امت بیان کی ہے۔ اب مشورہ کے بعد آپ کے اختیارات کی وسعت بیان فرماتے ہیں. فاذا عزمت فتوکل علی اللہ اس میں مطلقاً یہ فرمایا ہے کہ مشورہ کے بعد جدھر آپ کا عزم ہو اپنے عزم پر عمل کیجئے اس میں کوئی قید نہیں ہے کہ آپؐ کی رائے سب کے خلاف ہو یا ایک کے موافق اور اکثر کے خلاف ہو ہر حال میں توکلاً علی اللہ اپنے عزم پر عمل کرنے کے واسطے حکم فرمایا۔ یہاں سے جڑ کٹتی ہے سلطنت جمہوری کی کیونکہ اُس میں کثرت رائے پر فیصلہ ہوتا ہے اور محض مشورہ کرنے سے کثرت رائے

پر فیصلہ کرنا لازم نہیں آتا اسلئے وشاورھم سے سلطنت جمہوری پر استدلال نہیں ہوسکتا اور اگر کھینچ تان کر کوئی اس سے استدلال کرتا بھی تو فاذا عزمت فتوکل علی اللہ نے اسکو بالکل ہی اڑا دیا اور اس سے مشورہ کو بیکار نہ کہا جاوے کہ جب اس پر عمل نہ کیا تو نفع ہی کیا ہوا۔ دراصل مشورہ میں یہ فائدہ ہے کہ اس سے معاملہ کے ہر پہلو پر نظر پہونچ جاتی ہے اس کے بعد جو رائے ہوگی اس میں سب مصالح کی رعایت ہوگی اسی واسطے کہا گیا ہے ۔

رایان خیر من الواحد یہ حاصل ہے مشورہ کا نہ یہ کہ عوام کی رائے کو بادشاہ کی رائے پر ترجیح دی جاوے جیسا کہ جمہوری سلطنت میں ہوتا ہے وہ بادشاہی کیا ہوا جو رعایا کی رائے پر مجبور ہوگیا اسلام میں یہ حکم نہیں بلکہ اسکو پورے اختیارات ہیں۔ ہاں البتہ انتخاب سلطان کے وقت جمہور اہل حل وعقد کی کثرت رائے معتبر ہے جبکہ وہ رائے خلاف شرع نہ ہو بہر حال وشاورھم فی الامر تو جمہوری سلطنت کی دلیل نہیں ہوسکتی البتہ ایک اور آیت سے بظاہر اس پر استدلال ہوسکتا ہے شاید وہ کسی کے ذہن میں بھی نہ آئی ہو مگر میں اس کو بیان کرتا ہوں مع جواب کے کوئی صاحب فقط لاتقربوا کو نہ دیکھیں بلکہ وانتم سکاری کو بھی دیکھیں یعنی جواب کو بھی ساتھ ہی ساتھ ملاحظہ فرمالیں وہ آیت یہ ہے واذقال موسی لقومہ یقوم اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذجعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکا الآیۃ۔ اس میں حق تعالیٰ شانہ بنی اسرائیل پر انعام نبوت کے مضمون میں تو ارشاد فرماتے ہیں جعل فیکم انبیاء یعنی تم میں نبی بنائے اور انعام سلطنت کے بارے میں ارشاد ہے جعلکم ملوکا یعنی تم سب کو بادشاہ بنایا اس سے معلوم ہوا کہ اُن کی بادشاہت جمہوری تھی ورنہ یہاں بھی یوں فرمایا جاتا جعل فیکم ملوکا کہ تم میں بادشاہ بنائے جیسا کہ نبوت کے متعلق فرمایا۔ تو دلیل ہوئی اور اس کے دو جواب ہیں ایک عقلی ایک نقلی ۔عقلی جواب تو یہ ہے کہ فاتح قوم کا رعب شاہی عام ہوتا ہے نیز جس قوم میں بادشاہت ہوتی ہے اس کے ہر فرد کا حوصلہ بڑھا ہوا ہوتا ہے اور ہر شخص اپنے کو فاتح اور سلطان سمجھتا ہے قوم مفتوح کے مقابلہ میں اسلئے جعلکم ملوکا فرمایا یہ نہیں کہ وہ سب کے سب بادشاہ تھے اور نقلی دلیل یہ ہے کہ جب ہماری شریعت میں شخصی سلطنت کی تعلیم ہے تو اگر بنی اسرائیل کیلئے جمہوری سلطنت بھی مان لیں تو وہ منسوخ ہوچکی اور ہمارے لئے حجت نہیں ہوسکتی غرض قرآن شریف سے تو سلطنت شخصی ہی ثابت ہوتی ہے اب جو اہل علم اسلام میں جمہوریت کے مدعی ہیں وہ یاد رکھیں کہ ہمارے ذمہ شخصیت پر دلیل قائم کرنا لازم نہیں ہے بلکہ دلیل اُن کے ذمہ ہے اور ہم تو مانع ہیں پس جب وہ دلیل لادیں گے اس کا جواب بھی انشاء اللہ ہم دیدیں گے اور میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ وہ اپنے دعوی پر کوئی دلیل نہیں لاسکتے اور فتوکل علی اللہ میں یہ بھی بتلا دیا کہ باوجود مشورہ کرنے کے جوکہ اسباب رویت صواب سے ہے خدا ہی پر اعتماد رکھئے مشورہ کے بعد بھی کام بنانے والا وہی ہے مشورہ پر اعتماد نہ کرنا چاہئے آگے فرماتے ہیں ان اللہ یحب المتوکلین اس میں سب مسلمانوں کو امر وجوبی ہے توکل کا ہر کام میں خدا ہی پر نظر رکھیں دلیل وجوب

قرآن سے شخصی سلطنت ثابت ہے

توکل واجب ہے

کی یہ ہے کہ یہاں یحب فرمایا ہے جس سے مقابلہ کی بناء پر لازم آیا کہ لا یحب غیر المتوکلین اور قرآن کا محاورہ یہ ہے کہ لا یحب اپنے لغوی معنے پر مراد نہیں بلکہ یبغض کے معنی میں ہے پس یحب المتوکلین کو یبغض غیر المتوکلین لازم ہے اور عدم توکل کا مبغوض ہونا دلیل ہے توکل کے وجوب کی البتہ

ف توکل کے مراتب

توکل کے مراتب مختلف ہیں اس کا ہر درجہ فرض نہیں اسلئے یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ فرض کا درجہ کیا ہے اسکی تفصیل سنو۔ توکل کا ایک درجہ تو یہ ہے کہ اعتقاداً ہر حال میں خالق پر نظر رہے اُسی پر اعتماد ہو یہ تو فرض ہے یعنی اسباب ہوں یا نہ ہوں ہر حال میں بھروسہ خدا پر ہو کہ اصلی کارساز اُسی کو سمجھیں اسباب پر نظر نہ رکھیں دوسرا درجہ توکل کا عملی ہے یعنی ترک اسباب اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ سبب کسی ضروری مقصود دینی کے لئے ہے تو اس کا ترک حرام ہے جیساکہ اسباب جنت میں سے نماز وغیرہ ہیں ان کا ترک جائز نہیں اور اگر مقصود دنیوی کا سبب ہے تو پھر اُس میں بھی تفصیل ہے کہ اگر عادۃً اُس سبب پر اُس مقصود کا توقف ثابت ہے اور وہ مسبب مامور بہ ہے تو اُس کا ترک بھی حرام ہے جیسے کھانا سبب شبع (پیٹ بھرنا) ہے اور پانی پینا سبب ارتواء (سیرابی) ہے ان اسباب کا ترک جائز نہیں اور اگر سبب پر مقصود دنیوی کا ترتب ضروری اور موقوف نہیں تو اقویاء کیلئے ایسے اسباب کا ترک جائز بلکہ بعض صورتوں میں افضل ہے اور ضعفاء کے واسطے ترک کی اجازت نہیں اور اگر وہ سبب محض وہمی ہے تو اُس کا ترک سب کے لئے افضل ہے اور اگر اشتغال میں کوئی دینی ضرر ہے تو اُس ترک واجب ہے خوب سمجھ لو بہرحال مقصود آیت کا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے حق میں رحمت ہیں کہ حق تعالیٰ نے آپ کو نہایت کریم اور رحیم بنایا ہے ؎

یارب تو کریمی و رسولؐ تو کریم
صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم

اگر یہاں کسی کو حضورؐ سے سلسلہ ہے یعنی حضورؐ سے وابستگی ہے تو اُس کے لئے آخرت میں سب کچھ امید ہے تھوڑا سا تعلق بھی ہو تو انشاء اللہ کافی ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر وہ اس شعر کا مخاطب ہے ؎

اُس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

ف درج مضمون وعظ

اب میں بیان کو ختم کرتا ہوں اور اس کا نام بمناسبت مضمون کے الرحمۃ علی الامۃ رکھتا ہوں اللہ تعالیٰ قبول فرمادیں اور ہم سب کو اس رحمت میں شامل فرمادیں (اس کے بعد حسب معمول دعا مانگی اور بعد دعاء کے چلتے ہوئے فرمایا کہ) تحدث بالنعمۃ کے طور پر کہتا ہوں کہ ان مدعیان محبت رسولؐ کی مجلس میں آپ نے اتنے کمالات حضورؐ کے نہ سنے ہوں گے (اور مسکرا کر فرمایا) ہاں ہمارے یہاں مٹھائی نہیں ہے اسواسطے ہمکو محب نہیں کہا جاتا (اسکے بعد نماز پڑھائی اور بعد نماز کے فرمایا کہ) ایک ضروری مضمون جو دراصل درج تھی اس بیان کی اُسکو وقت پر بیان کرنا بھول گیا اب بیان کرتا ہوں اہل فہم ذرا ٹھہرے رہیں اور اس کا رہ جانا موجب تاسف ہوتا گو اب بھی افسوس رہا کہ اس کمال نبوی کا بیان مفصل نہ ہوا) مدلول لفظی تو آیت کا واضح ہوچکا کہ اسمیں معاملات مع الصحابہؓ کا ذکر ہے جس کے ضمن میں کمالات مستنبط ہوتے ہیں حضورؐ کا ایک کمال

اور بتلاتا ہوں اور اسکے واسطے ایک مقدمہ کی ضرورت ہے مقدمہ یہ ہے کہ بندہ کو جو تعلقات پیش آتے ہیں وہ تین قسم کے ہیں ان میں دو کا حق تو ادا کرنا آسان ہے ایک اُن تعلقات کا جو خدا کیساتھ ہیں دوسرے اُن تعلقات کا جو دشمنان خدا یعنی کفار کے ساتھ ہیں کیونکہ تعلق مع اللہ کا تو بڑھانا ضروری ہے اس میں تو یہی ایک کام ہے کہ اس تعلق کو بڑھایا جائے اور تعلق مع الکفار کا قطع ضروری ہے اس میں بھی ایک ہی کام ہے . . . . کہ اسکو قطع کیا جاوے باقی رہے وہ تعلقات جو مومنین کیساتھ ہیں یہ بہت سخت ہے کیونکہ مومن میں دو شانیں ہیں ایک یہ کہ اُسکو خدا سے تعلق ہے اور خدا تعالیٰ کو اُس سے تعلق ہے یہ مقتضی ہے وصل کو اور دوسری شان یہ ہے کہ وہ غیر حق ہے یہ مقتضی ہے فصل کو تفصیل اُسکی یہ ہے کہ اس میں دو مقتضی متضاد ہیں ایک تو مومن کے ساتھ اس وجہ سے کہ اسکو تعلق مع اللہ ہے تعلق کرنا دوسرے غیر اللہ ہونے کی وجہ سے اُس سے قطع تعلق کرنا اس لئے اسکے حدود بہت باریک ہیں اور اس کے ساتھ تعلق اور قطع تعلق دونوں کو جمع کرنا سخت دشوار ہے

ف: تعلق مع المؤمنین دشوار ہے۔

اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امر فرمایا گیا ہے کہ صحابہؓ کے ساتھ تعلق کی یہ حد رکھو کہ ظاہر میں اُن کے ساتھ تعلق ہو اُن سے مشورہ وغیرہ بھی ہو اُنکی دلجوئی بھی ہو اور باطن میں صرف خدا تعالیٰ پر نظر ہو اسی پر توکل اور اعتماد ہو مخلوق پر اس درجہ میں بالکل نظر نہ ہو یہ ہے مجمل تقریر روح مضمون کی بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بہت بڑا کمال تھا کہ آپ سب حدود کی پوری رعایت رکھتے تھے کہ ایسی رعایت کسی سے ہو نہیں سکتی حق تعالیٰ شانہ اس آیت میں مومنین کے اس حق کو یاد دلایا ہے کہ اُن کے ساتھ بے تعلقی کے بعض شعبوں کو تو مبدل بہ تعلق کرنا چاہئے اور قطع کے شعبوں کا بھی حق ادا کیا جائے حضورؐ اس پر پوری طرح عمل کرتے تھے وصل کے حقوق بھی ادا کرتے اور فصل کے حقوق بھی اور پھر اس کے ساتھ ایک اور بات بھی تھی کہ آپ سلطان بھی تھے شان سلطنت کا مقتضا یہ تھا کہ صحابہؓ پر آپ کا رعب و جلال قائم ہو اور شان نبوت کا مقتضا یہ تھا کہ صحابہؓ کے دل آپ سے کھلے ہوئے ہوں تاکہ استفاضہ ہو سکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں شانوں کے حقوق بھی ادا کرتے تھے کہ نہ محض رعب ہی تھا کہ کوئی استفاضہ نہ کر سکے نہ ایسے بے رعب تھے کہ شان سلطنت کا حق فوت ہو اب غور کیجئے کہ حضورؐ کو ان سب شیون کے حقوق ادا کرنے میں کس قدر دشواری ہوتی ہوگی درحقیقت یہ امر ادق من الشعر واحد من السیف ہے یعنی بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے محققین نے لکھا ہے کہ پل صراط اصل شریعت محمدیہ کی صورت مثالیہ ہے جو شخص اس جگہ شریعت پر عامل ہے اُس کو وہاں پلصراط پر چلنا آسان ہوگا ورنہ مشکل ہوگا اور گو اس میں سب مشترک ہیں کہ شریعت کا جو درجہ متوسط ہے اس پر پوری طرح عمل کرنا مشکل ہے لیکن پھر بھی اسمیں تفاوت ہے کہ بعضے درجۂ وسط سے بہت قریب ہیں اور بعضے بعید ہیں پس اسکی اصل حد پر جسطرح حضورؐ نے عمل کرکے دکھلا دیا وہ از بس دشوار ہے اب غور کیجئے کہ ہماری خاطر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی دشواری کا تحمل گوارا فرمایا کیا یہ رحمت نہیں یقیناً بڑی رحمت ہے اور قیامت میں اس سے زیادہ کی امید ہے حق تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنے حبیب کے طفیل ہماری امیدیں پوری فرمائے آمین ثم آمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ✦